ماہنامہ

محدث

بنارس

مارچ واپریل ۲۰۲۵ء ◆ رمضان وشوال ۱۴۴۶ھ

إِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ	۲
رمضان اور قرآن کا آپس میں گہرا رشتہ ہے	۷
ماہِ رمضان، روزے اور اعتکاف ..... موضوع روایات	۱۱
پانی کی حفاظت، زندگی کی ضمانت	۲۷
.....مولانا فضل حق مدنی مبارکپوری رحمہ اللہ	۵۵

دارالتالیف والترجمہ، بنارس، الہند

دینی، علمی، اصلاحی اور تحقیقی ماہنامہ

مجلّہ محدث بنارس

رمضان وشوال ۱۴۴۶ھ
مارچ واپریل ۲۰۲۵ء

جلد: ۴۲
شمارہ: ۳-۴

اس شمارہ میں

۱-إِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً ...	عبداللہ سعود سلفی	۲
۲-شوال کے چھ روزے: فضائل ومسائل	عبدالحلیم بسم اللہ	۴
۳-رمضان اور قرآن کا آپس میں گہرا رشتہ ہے	مدیر	۷
۴-ماہِ رمضان... موضوع روایات	امیر الاسلام مدنی	۱۱
۵-سحری: احکام اور فوائد	محمد ہاشم بشیر احمد مدنی	۱۸
۶-استقامت وثبات قدمی کے دس قاعدے	محمد محبّ اللہ محمدی	۲۲
۷-پانی کی حفاظت، زندگی کی ضمانت	عبدالحلیم بسم اللہ	۲۷
۸-حدیث المُوتان ...	عبدالعلیم سلفی	۳۳
۹-مولانا عبدالغفور رمضان پوری...	طلحہ نعمت ندوی	۴۳
۱۰-العبد التقی الغنی الخفی...	راشد حسن مبارکپوری	۵۵
۱۱-باب الفتاویٰ	نور الہدیٰ سلفی	۶۶

سرپرست
عبداللہ سعود سلفی

مدیر
محمد ایوب سلفی

معاون مدیر
اسرار احمد ندوی

مجلس مشاورت

مولانا محمد مستقیم سلفی
مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی
مولانا صلاح الدین مقبول مدنی
مولانا محمد یونس مدنی
ڈاکٹر عبدالصبور ابوبکر مدنی

بدل اشتراک سالانہ

ہندوستان:	300	روپے
خصوصی تعاون:	1000	روپے
بیرون ممالک:	50	ڈالر امریکی
فی شمارہ:	30	روپے

مراسلت کا پتہ

اشتراک کے لیے ڈرافٹ مندرجہ ذیل نام سے بنوائیں
Name: **DAR-UT-TALEEF WAT-TARJAMA**
Bank: **INDIAN BANK,** KAMACHHA, VARANASI
A/cNo.**21044906358**
IFSC Code: IDIB000V509

Darut Taleef Wat Tarjama, B.18/1-G, Reori Talab, Varanasi - 221010

www.mohaddis.org

نوٹ: ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

درس قرآن

إِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ (سورہ انبیاء:۹۲)

بے شک یہ تمہاری امت ایک ہی امت ہے اور میں تم سب کا رب ہوں پس تم میری ہی عبادت کرو

عبداللہ سعود سلفی

مذہب اسلام میں پوجا، بندگی وعبادت کا طریقہ سب سے منظّم، پاکیزہ اور سب مذہب سے بہتر ہے۔ ایسے طریقے وآداب آپ کو کہیں نہیں ملیں گے۔ مسلمانوں پر لازمی ہے ان کو ملحوظ رکھیں اور ان کے مطابق ہی عمل کریں، ورنہ ان کا یہ پاکیزہ عمل ان کے کام نہیں آئے گا۔

اللہ تعالیٰ جو انسان کا خالق یعنی پیدا کرنے والا اور اس کی تمام ضرورتوں کو پوری کرنے والا یعنی رب بھی ہے۔ خالق اور مخلوق کا جو فرق ہے وہ عبادت میں بھی واضح رہنا چاہئے۔ حکم ہے کہ عبادت اس طرح کرو جیسے کہ اللہ کو دیکھ رہے ہو۔ اگر نہیں دیکھتے تو وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔ تصور اپنے رب کا ہونا چاہئے اس کی شکل وصورت کا تصور ناممکن ہے کیوں کہ لیس کمثله شيء. (الشوری:۱۱) اس کے مثل کوئی چیز نہیں ہے۔ اللہ کے ہم کو دیکھتے رہنے کا تصور کرنا، ہم کو عبادت کرتے وقت ادب واحترام کا سبق سکھاتا ہے۔

مسجد اللہ کا گھر ہے، یہاں اللہ کے ساتھ کسی کو پکارنا منع ہے، وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَداً (سورہ جن: ۱۸) اس لئے اللہ کے ساتھ کسی غیر اللہ کا نام لکھنا و پکارنا اللہ کے حکم کی خلاف ورزی ہے۔ کچھ لوگ اذان سے پہلے اللہ کے رسول ﷺ پر درود پڑھتے ہیں یا سلام پڑھ کر اذان شروع کرتے ہیں، یہ اذان کا طریقہ نیا ہے۔ انہوں نے اللہ کی وحدانیت اور کبریائی کو نہ پہچانا۔ اللہ اللہ ہے، رسول اس کے بندہ وپیغمبر ہیں۔ جہاں جیسا حکم ہے اس کو ماننا چاہئے یہی سچے مسلمان وصحیح اطاعت وفرمانبرداری کی نشانی ہے۔ مسجد حرام مکہ مکرمہ اور مسجد نبوی مدینہ منورہ کی نئی تعمیر میں صرف اللہ اللہ ہی لکھا ہے، یہ اسی حکم کی وجہ سے ہے۔

یہ اسلام کی اچھائی و پاکیزگی کی تعلیم ہے کہ جب اللہ کے حضور کھڑے ہونا ہے تو پہلے پاکی حاصل کرو، وضو میں ہاتھ، پاؤں، چہرہ، سر وکان سب صاف کر کے کلی کر کے حاضر ہونا ہوتا ہے کیوں کہ لا يقبل اللّٰه الصلاة بغير طهور. (صحیح بخاری وصحیح مسلم) بغیر پاکی حاصل کئے نماز، اللہ کو منظور نہیں۔

اچھے ڈریس میں بن سنور کر حاضر ہو۔ حکم ہے: خذوا زينتكم عند كل مسجد (اعراف:۱۵۴) تم مسجد کی ہر

حاضری کے وقت زینت سے آراستہ ہوکر حاضر ہو یا کرو۔

صف بندی کے آداب سکھائے گئے، بڑے لوگ آگے، چھوٹے پیچھے، عورتیں اخیر میں، علم والوں کو قریب میں جگہ دی جائے۔ پہلی صف پوری کرنے کے بعد دوسری صف لگے۔ آگے کی صف میں جگہ کے باوجود صف کے پیچھے تنہا کھڑے ہونے پر نماز نہیں ہوگی۔ تلاوت ہو تو خاموشی سے سنو۔ ادھر ادھر تاکنا منع ہے۔ خشوع خضوع لازمی ہے۔ ہلنا ڈولنا اور بے جا ہاتھ کی حرکت منع ہے۔ صف سیدھی رکھو آپ ﷺ اس کا اہتمام کراتے تھے۔ فرماتے: سوو صفوفكم فإن تسوية الصفوف من إقامة الصلاة. (صحیح بخاری:۷۲۳) اپنی صفوں کو سیدھی کرلو کیوں کہ صفوں کو سیدھی رکھنا نماز کے قیام کا جزء ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بہت سی آیتوں میں أقيموا الصلاة. نماز قائم کرو کا حکم دیا ہے۔ صف کی ترتیب واہتمام اس قیام میں داخل ہے۔

مسجد میں داخل ہو تو احترام وسکون ملحوظ ہونا چاہئے۔ نماز بعد بھی، نماز سے پہلے بھی کسی کو حرج نہ ہو۔ ذکر واذکار میں خلل نہ ہو۔ اگر کوئی شخص اپنی گمشدہ چیز کا اعلان کرے تو اللہ کے رسول ﷺ کا حکم ہے کہ کہو لا ردها اللّٰه عليك فإن المساجد لم تبن لهذا. (صحیح مسلم:۷۹) اللہ کرے تمہارا سامان نہ ملے، یہ مساجد اس کام کے لئے نہیں بنائی گئی ہیں۔

مسجد کا بنانا، اس کو آباد رکھنا، اس میں دینی کام کے لئے اجتماع کرنا، ذکر واذکار اور تلاوت میں وقت گزارنا، اس کی صفائی کا اہتمام، نمازیوں کے لئے آرام کی چیزوں کو فراہم کرنا اور قوم کی بھلائی کے لئے بیٹھ کر مشورہ کرنا، سب مسجد کو آباد کرنے میں داخل ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ حشر کے میدان میں جہاں کوئی پناہ کی جگہ نہ ہوگی اللہ تعالیٰ اپنے اس بندہ کو اپنے عرش کے سایے تلے رکھے گا جس کا دل مساجد سے لگا رہتا ہے۔ رجل قلبه معلق بالمساجد. جس کا دل مسجد سے لگا رہتا ہے۔

مسلمانو! عبادت کو عبادت سمجھو، اس کے آداب کو سمجھو اور اپنے مقام کو سمجھو۔ اسلام کا بول بالا آپ کے عمل سے ہوگا۔ تقریر وجلوس سے نہیں۔ 'نہ سمجھوگے تو مٹ جاؤگے اے ہندوستاں والو'۔

مسجد اللہ کے لئے ہے۔ اللہ کے بندوں کو مسلک ومذہب کے لئے الگ الگ نہ کرو۔

☆☆☆

درس حدیث

شوال کے چھ روزے: فضائل ومسائل

ڈاکٹر عبدالحلیم بسم اللہ

استاذِ حدیث جامعہ سلفیہ بنارس

عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَّهُ حَدَّثَهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ أَتْبَعَهُ سِتًّا مِنْ شَوَّالٍ، كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ. صحيح مسلم (۱۱۶۴)

ترجمہ:

جس شخص نے رمضان کے روزے رکھے، پھر اس کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے، تو یہ گویا پورے سال کے روزوں کی مانند ہے۔

راوی حدیث:

ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ؛ ان کا نام خالد بن زید بن کلیب بن ثعلبہ انصاری خزرجی نجاری تھا۔ وہ عقبہ (ثانیہ) میں شریک ہوئے اور غزوہ بدر، غزوہ احد اور نبی ﷺ کے ساتھ تمام غزوات میں شریک ہوئے، اور جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو ایک مہینہ تک آپ ﷺ ان کے یہاں مقیم رہے یہاں تک کہ مسجد (نبوی) بن گئی۔ ان کی رہائش مدینہ منورہ میں تھی، نبی نے ان کے مابین اور مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے درمیان مواخات کروائی، وہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ خوارج کے خلاف جنگ میں شریک ہوئے، اور ان کے ساتھ مدائن بھی گئے، اس کے بعد طویل زمانہ تک زندہ رہے، یہاں تک کہ قسطنطنیہ (موجودہ استنبول) میں مرابط (سرحدی محافظ) کی حیثیت سے سن ۵۱ ہجری میں حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں وفات پائی اور یہ (واقعہ) اس وقت ہوا جب یزید بن معاویہ نے قسطنطنیہ پر لشکر کشی کی، تو وہ ان کے ساتھ نکلے، پھر بیمار ہوگئے اور جب مرض شدت اختیار کر گیا تو اپنے ساتھیوں سے کہا: جب میں فوت ہوجاؤں تو مجھے اٹھالینا، اور جب تم دشمن کے بالمقابل صف آرا ہوجاؤ تو مجھے ان کے قدموں کے نیچے دفن کر دینا۔ ابن حبان رحمہ اللہ نے کہا: مسلمان قسطنطنیہ کے محاصرے میں تھے، تو انہوں نے انہیں آگے بڑھا دیا یہاں تک کہ ان کو ایک دیوار کے قریب رات کے وقت دفن کیا گیا۔

(مرعاۃ المفاتیح ۲/ ۴۷، الاستیعاب فی معرفۃ الأصحاب ۲/ ۴۲۵، الاصابہ فی تمییز الصحابہ ۳/ ۱۴۳)

شرح حدیث:

اسلام ایک جامع دین ہے جو انسان کی روحانی، جسمانی اور معاشرتی اصلاح کا ضامن ہے۔ رمضان المبارک کے

روزوں کے بعد شوال کے چھ روزوں کی ترغیب نبی کریم ﷺ نے دی ہے، جو نہ صرف عبادت کا تسلسل قائم رکھتی ہے بلکہ روزہ دار کے لیے عظیم اجر وثواب کا باعث بھی بنتی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ جس شخص نے رمضان کے روزے رکھے، پھر اس کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے، تو یہ گویا پورے سال کے روزوں کی مانند ہے۔

شارحینِ حدیث کی وضاحت کے مطابق رمضان کے ایک ماہ کا روزہ، دس ماہ کے روزوں کے برابر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ایک نیکی کا بدلہ دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک دیا جاتا ہے جیسا کہ صحیح مسلم (۱۱۵۱) کی مرفوع حدیث ہے: (كلُّ عملِ ابنِ آدمَ يُضاعفُ؛ الحسنةُ بعشرِ أمثالِها، إلى سَبْعِمائةِ ضِعفٍ) اور شوال کے چھ دن کے روزے ساٹھ دنوں کے روزوں کے برابر ہیں جو کہ دو ماہ بنتے ہیں، یوں گویا پورے سال کے ۱۲/ ماہ کے روزے مکمل ہو گئے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص ماہِ رمضان کے روزوں کے ساتھ شوال کے چھ روزوں کا ہر سال اہتمام کرتا ہے تو گویا وہ شخص پورے سال کا روزہ رکھتا ہے اس طرح اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے زمانے بھر کا اجر وثواب ملے گا۔

ان روزوں کی کیفیت اور طریقہ:

- شوال کے چھ روزے رمضان کے فوراً بعد عید کے دوسرے دن سے شروع کیے جا سکتے ہیں، کیونکہ عید کے دن روزہ رکھنا منع ہے۔
- یہ روزے مسلسل چھ دن بھی رکھے جا سکتے ہیں اور وقفے وقفے سے بھی، دونوں جائز ہیں۔
- کسی مرد یا خاتون پر رمضان کے قضا روزے باقی ہوں تو اگر استطاعت ہو تو بہتر ہے کہ پہلے ان کی قضا کریں، پھر شوال کے نفلی روزے رکھیں، لیکن اگر کوئی حاجت وضرورت ہو تو نفلی روزے پہلے رکھنا بھی درست ہے۔

اس عمل کی حکمتیں:

- رمضان کے بعد شوال کے روزے انسان کو نیکی پر قائم رکھنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔
- اگر رمضان کے روزوں میں کچھ کمی یا لغزش رہ گئی ہو تو یہ اضافی روزے اس کی تلافی کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔
- جو شخص رمضان کے بعد بھی نفلی روزے رکھتا ہے، تو یہ دلیل ہے کہ رمضان کا اثر اس کی زندگی پر باقی ہے۔
- یہ روزے نفس کو نیکیوں پر آمادہ رکھتے ہیں اور خواہشاتِ نفس سے روکنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔

حدیث سے مستنبط مسائل:

۱- **قضا اور شوال کے روزے**: فقہاء کا اختلاف ہے کہ کیا شوال کے روزے قضا روزوں کے بعد رکھے جائیں یا پہلے؟ جمہور اہل علم کی رائے ہے کہ پہلے قضا روزے ادا کیے جائیں، پھر شوال کے نفلی روزے رکھے جائیں تاکہ فضیلت کا وعدہ حاصل ہو۔ لیکن حالات وظروف کے اعتبار سے نفلی روزوں کو رمضان کے قضا روزوں پر مقدم کر سکتے ہیں جیسا کہ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وہ رمضان کے روزوں کی قضا رسول اللہ ﷺ کی موجودگی کی وجہ سے ماہِ شعبان میں

جا کر کرتی تھیں اور ظاہر ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا ان گیارہ مہینوں میں نفلی روزہ ضرور رکھتی ہوں گی۔

۲-**شوال میں روزے کی نیت**: ان روزوں کی نیت رات میں کرنی بہتر ہے، لیکن اگر دن میں نیت کر لی اور ابھی کچھ کھایا پیا نہ ہو تو روزہ درست ہے بشرطیکہ نیت زوالِ شمس سے پہلے پہل کی ہو۔

۳-**مسلسل یا متفرق روزے**: دونوں طریقے درست ہیں، نبی کریم ﷺ سے اس بارے میں کوئی خاص ترتیب منقول نہیں ہے، لہٰذا سہولت اور آسانی کے مطابق جس طرح چاہیں روزہ رکھ سکتے ہیں۔

شوال کے چھ روزے ایمانداروں کے لیے ایک عظیم موقع ہیں کہ وہ رمضان کے روحانی اثرات کو برقرار رکھیں اور سال بھر کے لیے ثواب کا ذخیرہ جمع کریں۔ ان روزوں کے ذریعے انسان اللہ تعالیٰ کی رضا کے قریب ہوتا ہے اور اس کا دل نیکیوں کی طرف مائل رہتا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم خود بھی ان روزوں کی پابندی کریں اور اپنے اہل وعیال اعزہ واقارب اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیں۔

☆☆☆

رمضان اور قرآن کا آپس میں گہرا رشتہ ہے

مدیر

رمضان المبارک وہ مقدس ومتبرک مہینہ ہے جس میں قرآن کریم کا نزول ہوا، اسلام کی وہ مقدس کتاب جو انسانیت کے لئے دستور حیات ہے، جو منزل من اللہ کتاب ہے، جو جبریل علیہ السلام کے واسطے سے سب سے بہترین انسان حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوئی ہے، جس کی فصاحت وبلاغت پر پوری عرب دنیا جسے اپنی زبان دانی پر فخر تھا سر دھنتی تھی، یہ مقدس کتاب اللہ کے رسول محمد ﷺ پر رمضان المبارک کے مہینے میں نازل ہوئی۔ ارشاد ربانی ہے: شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیَ أُنزِلَ فِیْهِ الْقُرْآنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَی وَالْفُرْقَانِ فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ وَمَن كَانَ مَرِیْضاً أَوْ عَلَی سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَیَّامٍ أُخَرَ یُرِیْدُ اللّهُ بِكُمُ الْیُسْرَ وَلاَ یُرِیْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُواْ الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُواْ اللّهَ عَلَی مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (البقرۃ:۱۸۵) ماہ رمضان وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا جو لوگوں کو ہدایت کرنے والا ہے اور جس میں ہدایت کی اور حق وباطل کی تمیز کی نشانیاں ہیں، تم میں سے جو شخص اس مہینہ کو پائے اسے روزہ رکھنا چاہئے، ہاں جو بیمار ہو یا مسافر ہو اسے دوسرے دنوں میں یہ گنتی پوری کرنی چاہئے، اللہ تعالیٰ کا ارادہ تمہارے ساتھ آسانی کا ہے، سختی کا نہیں، وہ چاہتا ہے کہ تم گنتی پوری کرلو اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہدایت پر اس کی بڑائیاں بیان کرو اور اس کا شکر کرو۔

رمضان میں نزول قرآن کا یہ مطلب نہیں کہ مکمل قرآن کسی ایک رمضان میں نازل ہوگیا بلکہ یہ ہے کہ رمضان کی شب قدر میں لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر اتار دیا گیا اور وہاں بیت العزہ میں رکھ دیا گیا۔ وہاں سے حسب حالات ۲۳ رسالوں تک اترتا رہا۔ (ابن کثیر)

اسی لئے یہ کہ قرآن رمضان میں یا لیلۃ القدر، یا لیلۃ مبارکۃ میں اترا، یہ سب صحیح ہے کیوں کہ لوح محفوظ سے رمضان ہی میں اترا ہے اور لیلۃ القدر اور لیلۃ مبارکۃ یہ ایک ہی رات ہے یعنی قدر کی رات جو رمضان میں ہی آتی ہے۔ بعض کے نزدیک اس کا مفہوم یہ ہے کہ رمضان میں نزول قرآن کا آغاز ہوا اور پہلی وحی جو غار حرا میں آئی وہ رمضان میں آئی۔ اس اعتبار سے قرآن مجید اور رمضان المبارک کا آپس میں نہایت گہرا تعلق ہے۔ (احسن البیان، ص:۷۴)

ایک حدیث نبوی کے اندر رمضان المبارک میں نبی کریم ﷺ کا حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ قرآن کے مدارسے کا ذکر ان الفاظ میں ہے: عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما قال: كان رسول اللّٰه ﷺ أجود الناس، وكان أجود ما يكون في رمضان حين يلقاه جبريل، وكان جبريل يلقاه في كل ليلة من

رمضان فيدارسه القرآن، فلرسول اللّٰه ﷺ حين يلقاه جبريل أجود بالخير من الريح المرسلة. (متفق عليه) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ سخی تھے اور رمضان میں جب آپ کو حضرت جبریل آکر ملتے تو آپ بہت زیادہ سخاوت کرنے والے تھے اور جبریل رمضان کی ہر رات میں آپ سے ملتے تھے اور آپ سے قرآن کا دور کرتے تھے۔ پس یقیناً رسول اللہ ﷺ جب جبریل آپ سے ملتے بھلائی میں تیز ہوا سے بھی زیادہ سخاوت فرماتے تھے۔

اس حدیث کے اندر رمضان المبارک میں دو کاموں کے کثرت اور اہتمام کرنے کا بیان ہے۔ ایک فیاضی اور سخاوت کا مظاہرہ تاکہ لوگ اس مہینے میں زیادہ سے زیادہ عبادت کے لئے وقت نکال سکیں اور اپنے دنیاوی مشغلوں میں کمی کر لیں۔

دوسرے قرآن کریم کا دور اور مدارسہ، یعنی ایک دوسرے کو قرآن کی منزل سنانا جیسے قرآن کریم کے دو حافظ ایک دوسرے کو اپنا آموختہ سناتے ہیں کیونکہ قرآن کریم اور رمضان المبارک کا باہم نہایت گہرا تعلق ہے۔

ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری رحمہ اللہ نے ایک مصری مصنف ڈاکٹر عمارہ کے ایک مضمون کے حوالے سے ایک نہایت ہی اہم نکتے کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ آپ رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں: ''معاصر مصری مصنف ڈاکٹر محمد عمارہ نے اپنے ایک مضمون میں یہ سوال اٹھایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روزہ کی عظیم عبادت کے لئے رمضان کے مہینے کی تخصیص کیوں کی؟ اسلامی تقویم میں چار مہینے یعنی رجب، ذی القعدہ، ذی الحجہ اور محرم احترام اور عظمت کے لئے مشہور ہیں، ان کی اس حیثیت کا ذکر قرآن میں موجود ہے، لیکن روزہ کے لئے ان میں سے کسی مہینہ کو کیوں منتخب نہیں کیا گیا؟ اس طرح اسلامی تاریخ میں نبی کریم ﷺ کی مدینہ طیبہ ہجرت کا واقعہ بے حد عظیم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کے بعد اسلام کے غلبہ وتسلط کے آثار ظاہر فرمانے شروع کر دیئے تھے۔ پھر ہجرت کے مہینے یعنی ربیع الاول کی بھی خصوصیت ہے، لیکن ان میں سے کسی کو روزہ کے لئے منتخب نہیں کیا گیا، آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ (مجلّہ العربی، کویت، شعبان ۱۴۱۴ھ)

ڈاکٹر عمارہ نے مذکورہ سوال کے بعد لکھا ہے کہ قرآن مجید نے اپنی مختلف آیتوں میں اس سوال کے جواب کی طرف ہماری رہنمائی کی ہے اور روزہ کے لئے ماہ رمضان کو منتخب کرنے کی وجہ بیان کی ہے۔

نبی کریم ﷺ پر قرآن کریم کا نزول امت مسلمہ کی تخلیق اور اسلام کے غلبہ کا آغاز تھا اور قرآن کے نزول کے لئے اللہ تعالیٰ نے رمضان کی ایک مبارک رات 'لیلۃ القدر' کو منتخب فرمایا تھا۔ امت کی تخلیق کے بعد اس کے ایمان ویقین کو تقویت دینے کی ضرورت تھی جس کا سب سے بہتر ذریعہ روزہ تھا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے روزہ کے لئے حرمت والا یا ہجرت والا مہینہ اختیار نہ فرما کر نزول قرآن والے مہینہ کو منتخب فرمایا کیونکہ امت کو اپنے وجود کی بقا کے لئے ایک مضبوط عزم وارادے کی ضرورت ہے اور یہ عزم وارادہ روزہ سے زیادہ بہتر طور پر کسی اور عمل سے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔

موصوف نے اس موقع پر واضح کیا ہے کہ روزہ رکھتے ہوئے مسلمانوں کو چاہئے کہ ذہن پر زور دے کر سوچیں کہ یہ مہینہ

قرآن کے نزول کی یادگار ہے اور نبی ﷺ نے اسی قرآن کے ذریعہ عرب قوم کی اصلاح فرمائی، یہ عظیم انقلاب ہمارے اندر کیسے برپا ہوگا؟ اس کی واضح صورت یہ ہے کہ ہم قرآن مجید پر غور وفکر کریں، اس کی تعلیمات پر توجہ دیں، اس کے مقاصد کو سمجھیں، پھر جن اہم امور کی طرف وہ توجہ دلاتا ہے ان پر عمل پیرا ہوں، قرآن کتاب ہدایت ہے، اسی میں ہماری زندگی ہے اور روزہ ہمارے عزم وحوصلہ، ایمان ویقین اور صبر وتوکل کا خالق ہے، اسی لئے ان ہدایتوں سے استفادہ کرکے ہم کو زندہ بننے کی ضرورت ہے اور حرکت وعمل کی ایسی مثال قائم کرنے کی ضرورت ہے جس سے دوسری قومیں سبق سیکھ لیں۔ آج ہماری زندگی میں مجبوری وبے کسی، فقر ولاچاری، ذلت وماتحتی اور عجز ومسکنت کا پہلو غالب ہے، لیکن ہماری تاریخ بتاتی ہے کہ ہم نے دنیا میں ذلت واحتیاج کی نہیں بلکہ عزت واستغناء کی زندگی بسر کی ہے اور اپنا ہاتھ ہمیشہ اونچا رکھا ہے، علامہ اقبال نے اسی لئے مسلمانوں کو مخاطب کرکے انہیں ان کی اہمیت وافادیت کا احساس دلانے کی کوشش کی ہے:

چشم اقوام سے مخفی ہے حقیقت تیری
ہے ابھی محفل ہستی کو ضرورت تیری
زندگی رکھتی ہے زمانے کو حرارت تیری
کوکب قسمت امکاں ہے خلافت تیری
وقت فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نور توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

(روزہ اور عید الفطر تربیتی نقطۂ نظر سے، از ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری، ص:۱۳-۱۶)

بلاشبہ قرآن اور رمضان المبارک کا رشتہ نہایت ہی گہرا ہے اور قرآن وہ کتاب ہے جس کی تلاوت کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کی آیات کے اندر تدبر وتفکر کا حکم دیا گیا ہے، اس کے احکام وفرامین پہ عمل پیرا ہونے کا حکم دیا گیا ہے، قرآن کی تلاوت پر اجر اور ایسی تجارت کا وعدہ فرمایا ہے جس میں کبھی نقصان نہیں ہے۔ ارشاد ربانی ہے: إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرّاً وَعَلَانِيَةً يَرْجُونَ تِجَارَةً لَّن تَبُورَ. لِيُوَفِّيَهُمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِ إِنَّهُ غَفُورٌ شَكُورٌ (فاطر:۲۹-۳۰) جو لوگ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں وہ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جو کبھی خسارہ میں نہ ہوگی، تاکہ ان کو ان کی اجرتیں پوری دے اور ان کو اپنے فضل سے اور زیادہ دے۔ بے شک وہ بڑا بخشنے والا قدردان ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن کے اتباع کا واضح حکم دیتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے: وَهَـٰذَا كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ فَاتَّبِعُوهُ وَاتَّقُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (الانعام:۱۵۵) اور یہ ایک کتاب ہے جس کو ہم نے اتارا بڑی خیر وبرکت والی سو اس کا اتباع کرو اور ڈرو تاکہ تم پر رحمت ہو۔

خیر وبرکت سے مراد دنیا وآخرت کی برکتیں اور بھلائیاں ہیں۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ یوں ارشاد فرماتا ہے: إِنَّ هَـذَا الْقُرْآنَ يِهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْراً كَبِيراً (الاسراء:۹) یقیناً یہ قرآن وہ راستہ دکھاتا ہے جو بہت ہی سیدھا ہے اور ایمان والوں کو جو نیک اعمال کرتے ہیں اس بات کی خوشخبری دیتا ہے کہ ان کے لئے بہت بڑا اجر ہے۔

اس قسم کی بے شمار آیات قرآنیہ ہیں جو قرآن کی اہمیت، اس کی تلاوت اور اس کے معانی ومفاہیم پر غور وتدبر کرنے کا حکم دیتی ہیں۔

ایک مومن اور مسلمان کو ہمیشہ قرآن سے جڑے رہنا چاہئے بالخصوص رمضان کے مبارک مہینے میں قرآن کی تلاوت کرنے اور قرآن پر تدبر وتفکر کرنے کا خصوصی اہتمام کرنا چاہئے تاکہ ہمارا دل قرآنی آیات کے نور سے منور ہو سکے اور ہم دنیا وآخرت کی بھلائیاں سمیٹ سکیں۔

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مرد مسلماں
اللہ کرے تجھ کو عطا جدت کردار

اللہ تعالیٰ رمضان کے اس مبارک مہینے کو ہمارے لئے خیر وبرکت اور دنیوی واخروی بھلائیوں کا مہینہ قرار دے، آمین۔

☆☆☆

ماہِ رمضان، روزے اور اعتکاف
سے متعلق بعض ضعیف اور موضوع روایات

ڈاکٹر امیر الاسلام مدنی
استاد جامعہ سلفیہ بنارس

اسلامی کیلنڈر کا نواں مہینہ رمضان المبارک تمام مسلمانوں کے لئے بڑی اہمیت وعظمت کا حامل ہے۔اس کی شان وعظمت پر متعدد قرآنی آیات شاہد ہیں۔ ذخیرۂ احادیث میں بھی اس کی خصوصیات وفضائل موجود ہیں۔تاہم ان ہی فضائل کے ضمن میں بعض ایسی روایات بھی وارد ہوئی ہیں جو اسنادی حیثیت سے نہایت ہی کمزور وضعیف ہیں، بلکہ ان میں سے بعض تو موضوع (من گھڑت) روایات کے درجے میں آتی ہیں۔

لہٰذا اہل علم پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اس ماہ کی آمد کے موقعے پر مستند ومعتبر احادیث ہی کو عوام الناس کے سامنے بیان کریں اور ضعیف وموضوع روایات کو بیان کرنے سے گُریز کریں تاکہ عوام الناس میں اس ماہ کے تعلق سے کسی طرح کی بدعقیدگی یا اوہام وخرافات نہ پیدا ہوں۔

پیش نظر تحریر میں بعض ان ہی ضعیف وموضوع روایات کو مختصر تخریج وتبصرہ کے ساتھ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے، تاکہ یہ احادیث قارئین کے علم میں آجائیں اور انہیں ان احادیث کے تعلق سے صحیح رخ اپنانے میں آسانی ہو۔واللہ ولی التوفیق۔

حدیث نمبر:(۱،۲،۳)عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰه عنهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عليه وسلَّم: لاتَقولوا: رَمَضانُ؛ فإِنَّ رَمَضانَ اسمٌ مِن أسماءِ اللهِ عَزَّ وجَلَّ، ولَكِن قولوا: شَهرُ رَمَضانَ.

ترجمہ:''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:تم رمضان نہ کہو، کیوں کہ رمضان اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے، بلکہ تم یہ کہا کرو: رمضان کا مہینہ''۔

تخریج وتبصرہ:

اسے امام ابن عدی نے (الکامل: ج۱۰،ص: ۲۱۸ میں) امام بیہقی نے (السنن الکبری، حدیث نمبر: ۷۹۰۴ میں) بطریق: ابومَعْشر سِنْدی، عن سعید مقبری، عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ، مرفوعاً روایت کیا ہے۔

یہ ایک منکر روایت ہے۔ابومَعشر سِنْدی کو امام بخاری وبعض دیگر ائمہ نے ''منکر الحدیث'' کہا ہے۔یحییٰ بن سعید القطان نے ''انتہائی ضعیف'' اور امام نسائی ودارقطنی نے بھی ''ضعیف'' کہا ہے۔ابن عدی اور حافظ ذہبی نے اس راوی کی نقل کردہ منکر روایات میں سے اس روایت کو بھی شمار کیا ہے۔جورقانی نے اسے:''حدیث باطل'' اور قرطبی نے ''لا یصح''، یعنی یہ صحیح نہیں ہے، کہا ہے۔اسی طرح امام نووی، حافظ ابن حجر اور بدر الدین عینی حنفی وغیرہ نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔(دیکھیں: الکامل فی ضعفاء الرجال لابن

عدی: ج۱۰، ص۲۱۸، الاباطیل: ج۲، ص۱۲۲، المُفہم لما اشکل من تلخیص مسلم: ج۱،ص۱۵۲، میزان الاعتدال: ج۵، ص۱۱، المجموع شرح المہذب للنووی: ج۶، ص۲۴۸، فتح الباری: ج۴،ص۱۳۵،عمدۃ القاری: ج۱۰ص:۲۶۵)۔

اسی مفہوم کی ایک روایت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔ جسے تمّام نے (الفوائد: ج۱،ص۱۰۴، حدیث نمبر: ۲۴۱) میں بطریق: ناشب بن عمرو شیبانی، عن مقاتل بن حیان، عن ضحاک بن مزاحم، عن ابن عمر مرفوعاً روایت کیا ہے۔ یہ حدیث بھی سخت ضعیف ہے۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو (واہٍ جداً) کہا ہے۔ (الضعیفہ :۱۰/ ۳۶۵)۔

اس کی سند میں درج ذیل علتیں ہیں:

۱- (ناشب بن عمرو شیبانی) کو دارقطنی نے ضعیف کہا ہے اور ان سے قبل امام بخاری نے منکر الحدیث کہا ہے۔ (دیکھیں: میزان الاعتدال ج۵،ص۵طبع الرسالہ، ولسان المیزان: ج۸،ص۲۴۴بتحقیق ابی غدہ)۔

۲-علّتِ انقطاع، کیوں کہ ضحاک بن مزاحم کا ابن عمر سے سماع ثابت نہیں ہے۔ جیسا کہ ابوزرعہ رازی وغیرہ نے اس کی صراحت کی ہے۔ (ملاحظہ ہو: تحفۃ التحصیل لابن العراقی ص:۱۵۵)۔

اسی طرح عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے بھی ایک روایت آئی ہے۔ جسے ابوطاہر محمد بن احمد انباری نے (المشیخہ: حدیث نمبر: ۵۲ میں) اور ان ہی کے طریق سے ابن النجار نے (ذیل تاریخ بغداد: ج۵،ص۷۵ میں) روایت کیا ہے۔ اس کی سند مظلم (تاریک) ہے۔ اس میں متعدد مجاہیل رواۃ ہیں۔ سیوطی نے اسے موضوعات کے ضمن میں ذکر کیا ہے۔ (دیکھیں: اللآلی المصنوعہ:۲/۸۳)۔

خلاصۂ کلام یہ کہ ایسی کوئی حدیث ثابت نہیں ہے جس سے اس مہینہ کو صرف ''رمضان'' (بلا کسی اضافت) کہنے کے عدمِ جواز پر استدلال کیا جا سکے، بلکہ اس کے برخلاف متعدد صحیح احادیث میں بغیر کسی اضافت کے صرف ''رمضان'' کہا گیا ہے۔ امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح کے اندر ایک باب قائم کیا ہے(باب هل يقال: رمضان او شهر رمضان) یعنی صرف رمضان کہا جائے یا ماہِ رمضان..؟) اور اس کے تحت بعض ان احادیث کو ذکر فرمایا ہے جن میں صرف رمضان کہا گیا ہے۔ لہٰذا (رمضان) اور (ماہ رمضان) دونوں طرح سے اس کا نام لیا جا سکتا ہے اور جمہور اہل علم کا بھی یہی موقف ہے۔ وللہ الحمد۔

حدیث نمبر: (۴) (هُوَ شَهْرٌ أَوَّلُهُ رَحْمَةٌ، وَأَوْسَطُهُ مَغْفِرَةٌ، وَآخِرُهُ عِتْقٌ مِنَ النَّارِ) یعنی: ''ماہِ رمضان کا ابتدائی حصہ رحمت ہے اور درمیانی حصہ بخشش اور آخری حصہ جہنم سے آزادی کا باعث ہے''۔

تبصرہ وتخریج:

ماہِ رمضان کی فضیلت میں وارد اس حدیث کی کافی شہرت ہے۔ دراصل یہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے مروی ایک طویل روایت کا حصہ ہے، جس کے پورے الفاظ درج ذیل ہیں:

(عَنْ سَلْمَانَ قَالَ: خَطَبَنَا رَسُولُ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - فِي آخِرِ يَوْمٍ مِنْ

شَعْبَانَ، فَقَالَ: "أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ أَظَلَّكُمْ شَهْرٌ عَظِيمٌ، شَهْرٌ مُبَارَكٌ، شَهْرٌ فِيهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ، جَعَلَ اللَّهُ صِيَامَهُ فَرِيضَةً، وَقِيَامَ لَيْلِهِ تَطَوُّعًا، مَنْ تَقَرَّبَ فِيهِ بِخَصْلَةٍ مِنَ الْخَيْرِ، كَانَ كَمَنْ أَدَّى فَرِيضَةً فِيمَا سِوَاهُ، وَمَنْ أَدَّى فِيهِ فَرِيضَةً، كَانَ كَمَنْ أَدَّى سَبْعِينَ فَرِيضَةً فِيمَا سِوَاهُ، وَهُوَ شَهْرُ الصَّبْرِ، وَالصَّبْرُ ثَوَابُهُ الْجَنَّةُ، وَشَهْرُ الْمُوَاسَاةِ، وَشَهْرٌ يَزْدَادُ فِيهِ رِزْقُ الْمُؤْمِنِ، مَنْ فَطَّرَ فِيهِ صَائِمًا كَانَ مَغْفِرَةً لِذُنُوبِهِ، وَعِتْقَ رَقَبَتِهِ مِنَ النَّارِ، وَكَانَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِهِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْتَقِصَ مِنْ أَجْرِهِ شَيْءٌ ." قَالُوا: لَيْسَ كُلُّنَا نَجِدُ مَا يُفَطِّرُ الصَّائِمَ . فَقَالَ: "يُعْطِي اللَّهُ هَذَا الثَّوَابَ مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا عَلَى تَمْرَةٍ، أَوْ شَرْبَةِ مَاءٍ، أَوْ مَذْقَةِ لَبَنٍ، وَهُوَ شَهْرٌ أَوَّلُهُ رَحْمَةٌ، وَأَوْسَطُهُ مَغْفِرَةٌ، وَآخِرُهُ عِتْقٌ مِنَ النَّارِ، مَنْ خَفَّفَ عَنْ مَمْلُوكِهِ غَفَرَ اللَّهُ لَهُ، وَأَعْتَقَهُ مِنَ النَّارِ، وَاسْتَكْثِرُوا فِيهِ مِنْ أَرْبَعِ خِصَالٍ: خَصْلَتَيْنِ تُرْضُونَ بِهِمَا رَبَّكُمْ، وَخَصْلَتَيْنِ لَا غِنًى بِكُمْ عَنْهُمَا، فَأَمَّا الْخَصْلَتَانِ اللَّتَانِ تُرْضُونَ بِهِمَا رَبَّكُمْ، فَشَهَادَةُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَتَسْتَغْفِرُونَهُ، وَأَمَّا اللَّتَانِ لَا غِنًى بِكُمْ عَنْهُمَا، فَتَسْأَلُونَ اللَّهَ الْجَنَّةَ، وَتَعُوذُونَ بِهِ مِنَ النَّارِ، وَمَنْ أَشْبَعَ فِيهِ صَائِمًا، سَقَاهُ اللَّهُ مِنْ حَوْضِي شَرْبَةً لَا يَظْمَأُ حَتَّى يَدْخُلَ الْجَنَّةَ)

ترجمہ: سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے شعبان کے آخری روز ہم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: لوگو! تم پر عظیم الشان مہینہ سایہ فگن ہو رہا ہے، یہ بابرکت مہینہ ہے، اس میں ایک ایسی رات ہے جو ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہے، اللہ سبحانہ و تعالی نے اس کے روزے فرض کیے ہیں اور اس مہینے کی راتوں کا قیام نفلی ہے، جس نے بھی اس مہینہ میں کوئی خیر و بھلائی کا کام سرانجام دے کر قرب حاصل کیا تو وہ ایسے ہی ہے جیسے کسی نے اس مہینہ کے علاوہ کوئی فرض ادا کیا اور جس نے اس مہینہ میں کوئی فرض سرانجام دیا تو وہ ایسے ہی ہے جیسے کسی نے اس مہینہ کے علاوہ ستر فرض ادا کیے، یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا ثواب جنت ہے، یہ خیر خواہی کا مہینہ ہے۔ اس ماہ مبارک میں مومن کا رزق زیادہ ہو جاتا ہے اور جس کسی نے بھی اس مہینہ میں روزے دار کا روزہ افطار کرایا اس کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں اور اس کی گردن جہنم سے آزاد کر دی جاتی ہے اور اسے بھی روزے دار جتنا اجر و ثواب حاصل ہوتا ہے اور کسی کے ثواب میں کمی نہیں ہوتی۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: ہم میں سے ہر ایک کے پاس تو روزہ افطار کرانے کے لیے کچھ نہیں ہوتا، تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالی یہ اجر و ثواب ہر اس شخص کو دیتا ہے جس نے بھی کسی کا روزہ کھجور یا پانی کے گھونٹ، یا دودھ کے ساتھ افطار کرایا، اس ماہ کا ابتدائی حصہ رحمت ہے اور درمیانی حصہ بخشش اور آخری حصہ جہنم سے آزادی کا باعث ہے، جس کسی نے بھی اپنی لونڈی اور غلام سے تخفیف کی اللہ تعالی اسے بخش دیتا اور اسے جہنم سے آزاد کر دیتا ہے، اس ماہ مبارک میں چار کام زیادہ سے زیادہ کیا کرو: دو کے ساتھ تو

تم اپنے پروردگار کوراضی کروگے اور دو خصلتیں ایسی ہیں جن سے تم بے پرواہ نہیں ہو سکتے: جن دو خصلتوں سے تم اپنے پروردگار کوراضی کر سکتے ہو وہ یہ ہیں: اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالی کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں اور اس سے بخشش طلب کرنا اور جن دو خصلتوں کے بغیر تمہیں کوئی چارہ نہیں: جنت کا سوال کرنا اور جہنم سے پناہ مانگنا ہے۔ جس نے بھی اس ماہ مبارک میں کسی روزے دار کو پیٹ بھر کر کھلایا اللہ سبحانہ وتعالی اسے میرے حوض کا پانی پلائیگا وہ جنت میں داخل ہونے تک پیاس محسوس نہیں کرے گا،،۔

اس حدیث کو ابن خزیمہ نے (صحیح ابن خزیمہ ج۳، ص۱۹۱، حدیث نمبر: ۱۸۸۷ میں)، ابوعبد اللہ محاملی نے (الامالی ص: ۲۸۶، حدیث نمبر: ۲۹۳ میں)، بیہقی نے (شعب الایمان ج۵، ص۲۲۳، حدیث نمبر:۳۳۳۶ میں) بطریق: یوسف بن زیاد، عن ہمّام بن یحییٰ العوذی، عن علی بن زید بن جُدعان، عن سعید بن مسیّب، عن سلمان الفارسی رضی اللہ عنہ، مرفوعاً روایت کیا ہے۔

ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے اس حدیث پر جو باب قائم کیا ہے اس میں ''اِن صحَّ الخبر'' یعنی ''اگر یہ حدیث صحیح ہو تو'' کی قید لگائی ہے۔ جو غالباً سندِ حدیث میں متکلم فیہ راوی ہونے یا حدیث کے ثابت نہ ہونے کی طرف اشارہ ہوتا ہے جیسا کہ اہل علم اس سے واقف ہیں۔ یہاں اس حدیث کی سند میں یوسف بن زیاد ابوعبد اللہ بصری کو امام بخاری اور ابو حاتم الرازی نے ''منکر الحدیث'' کہا ہے۔ دارقطنی نے اسے باطل روایات بیان کرنے کے لئے مشہور راوی قرار دیا ہے۔ (دیکھیں: التاریخ الکبیر، ج۸، ص۳۸۸، الجرح والتعدیل ج۹، ص۲۲۲، لسان المیزان: ۸/۵۵۴)۔

اس میں علی بن زید بن جُدعان بھی ضعیف راوی ہے۔ (دیکھیں: تقریب التہذیب: ۴۷۳۴)۔

لہٰذا یہ سند سخت ضعیف ہے۔ ساتھ ہی متنِ حدیث میں بھی نکارت پائی جاتی ہے۔ اسی لیے بہت سارے علما ومحدثین نے اسے ''حدیثٌ منکرٌ'' اور بعض نے ''حدیثٌ باطلٌ'' کہا ہے۔ (دیکھیں: (العلل لابن ابی حاتم: ۱/۲۴۹)، وعمدۃ القاری ج۱۰، ص۲۶۹ اور الضعیفہ للالبانی: ۱/۸۷)۔

واضح رہے کہ مذکورہ حدیث کو حارث بن محمد بن ابی اسامہ نے (جیسا کہ المطالب العالیہ: ۶/۲۳ میں ہے) اور عقیلی نے (الضعفاء: ۱/۱۵۱ میں) بطریق عبد اللہ بن بکر السہمی، عن ایاس، عن سعید بن المسیب عن سلمان الفارسی مرفوعاً روایت کیا ہے۔

حارث کی سند میں عبداللہ بن بکر سہمی نے صراحت کی ہے: (حَدَّثَنِي بَعْضُ أَصْحَابِنَا رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ: إِيَاسٌ، رَفَعَ الْحَدِيثَ إِلَى سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ، عَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ)۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ایاس، اور سعید بن مسیّب کے درمیان اور بھی واسطے ہیں جنھیں ایاس نے حذف کر دیا ہے۔ لہٰذا ان مبہم روات کو ابن خزیمہ والی مذکورہ بالا سند کے روات پر محمول کرنا ہی قرینہ قیاس ہے۔ نیز (ایاس) خود مجہول راوی ہے۔ عقیلی نے کہا: یہ مجہول ہے اور اس کی حدیث محفوظ نہیں ہے، اور ذہبی اور عینی نے اس کی اس روایت کو (خبر منکر) کہا ہے۔

(دیکھیں: الضعفاء: ۱/۱۵۱، ومیزان الاعتدال: ۱/۲۸۲، عمدۃ القاری: ۱۰/۲۶۷)۔

حدیث نمبر:(۵) عن أبی مسعود الغفاری، قال: سمعتُ رسولَ الله صلی الله علیه وسلم، یقولُ ذاتَ یومٍ، وَقَدْ أَهَلَّ رَمَضَانُ: لَوْ یَعْلَمُ الْعِبَادُ مَا فِی رَمَضَانَ لَتَمَنَّتْ أُمَّتِی أَنْ تَکُونَ السَّنَةُ کُلُّهَا رَمَضَانَ.

ترجمہ:''ابومسعود غفاری سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایک دن۔ جب رمضان کا مہینہ شروع ہو چکا تھا۔ فرماتے ہوئے سنا: اگر بندوں کو معلوم ہوجائے کہ رمضان کی کیا فضیلت ہے؟ تو میری امت پورے سال رمضان رہنے کی تمنا کرنے لگے،،۔

تخریج وتبصرہ:

یہ حدیث بھی ایک طویل روایت کا حصہ ہے اسے مطوّلاً ابویعلی موصلی نے (المسند: ج۹،ص۱۸۰، حدیث نمبر ۵۲۷۳ میں)، ابن خزیمہ نے (الصحیح: ۲،ص۹۰۹، حدیث نمبر۱۸۸۶میں) بیہقی نے (فضائل الاوقات: ص۱۵۸، حدیث نمبر:۴۶ میں) بطریق: جریر بن ایوب بجلی، عن الشعبی، عن نافع بن بُردہ، عن ابی مسعود غفاری۔ مرفوعاً روایت کیا ہے۔

یہ ایک باطل روایت ہے۔ اس کی سند میں جریر بن ایوب بجلی کوفی، کو بعض نے منکر الحدیث اور بعض نے ضعیف الحدیث اور بعض نے متہم بالوضع،، تک کہا ہے۔ (دیکھیں: الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم ج۲،ص۵۰۳ اور لسان المیزان بتحقیق ابی غدہ ج۲،ص۴۲۹، وغیرہ)۔ اس میں اور بھی دیگر علتیں ہیں۔ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے اسے موضوع کہا ہے (الموضوعات ج۲،ص۱۸۹)۔

حدیث نمبر(۶): عَن أَبِی هُرَیرة- رضی الله عنه- قال: قال رسول الله صَلَّی الله عَلَیْهِ وَسَلَّم: صُومُوا تَصِحُّوا. ترجمہ:''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: روزہ رکھو، صحت مند رہو گے''۔

تخریج وتبصرہ:

اسے طبرانی نے (الاوسط ج۸،ص۱۷۴، حدیث نمبر: ۸۳۱۲ میں)، ابونعیم اصفہانی نے (الطب النبوی ج۱،ص ۲۳۶ میں) روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں ایک راوی محمد بن سلیمان بن ابی داود حرانی جو کہ بُومہ،، سے معروف ہے۔ پر بعض محدثین نے کلام کیا ہے۔ (تہذیب التہذیب:۳۱۲)۔

اسی طرح اس میں زہیر بن محمد تمیمی خراسانی کے بارے محدثین کا یہ کہنا ہے کہ ان سے اہل شام کی روایت ضعیف ہوتی ہے۔ (تہذیب التہذیب:۶۴۵)۔ حافظ عراقی نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔ اسی طرح علامہ البانی نے مذکورہ علتوں کی بنا پر اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (ملاحظہ ہو: تخریج احادیث الاحیاء (ص:۹۷۳، حدیث نمبر: ۳)، السلسلۃ الضعیفہ: ج۱،ص۴۲۰، حدیث نمبر:۲۵۳)۔

نوٹ: جدید میڈیکل سائنس کی روشنی میں انسانی صحت کے لئے روزے کی افادیت مسلم ہو چکی ہے۔ لیکن اس سے یہ جواز نہیں ملتا کہ بلا کسی ثبوت کے اس کو نبی ﷺ کی طرف منسوب کردیں۔

حدیث نمبر(۷):عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رضی الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: لِکُلِّ شَیْءٍ زَکَاةٌ، وَزَکَاةُ الْجَسَدِ الصَّوْمُ. ترجمہ: ''ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا: ہر چیز کی زکاۃ ہوتی ہے اور جسم کی زکاۃ روزہ ہے''۔

تخریج وتبصرہ:

اسے ابن ماجہ نے (السنن: کتاب الصوم، حدیث نمبر ۱۷۴۵) میں روایت کیا ہے۔ ابن ماجہ کی سند میں موسی بن عبیدہ ہے جو بالاتفاق ضعیف راوی ہے۔ دیگر علتیں بھی ہیں۔ اسی مفہوم کی ایک روایت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کے حوالے سے مروی ہے وہ بھی سخت ضعیف ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھیں: السلسلۃ الضعیفۃ ج۳، ص۴۹۷، حدیث نمبر ۱۳۲۹)۔

حدیث نمبر(۸): عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ، عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اعْتِكَافُ عَشْرٍ فِي رَمَضَانَ كَحَجَّتَيْنِ وَعُمْرَتَيْنِ. ترجمہ: ''علی بن حسین (زین العابدین) اپنے والد حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: رمضان میں دس دنوں کا اعتکاف (اس کا ثواب) دو حج اور دو عمرے کے برابر ہے''۔

تخریج وتبصرہ:

اسے طبرانی نے (المعجم الکبیر: ج۳، ص۱۲۸، حدیث نمبر ۲۸۸۸) اور بیہقی نے (شعب الایمان: ج۵، ص۴۳۶، حدیث نمبر ۳۶۸۰۔ میں) بطریق: ہیّاج، عن عَنبسۃ، عن محمد بن زاذان، عن علی بن الحسین، عن ابیہ مرفوعًا روایت کیا ہے۔

یہ موضوع (من گھڑت) روایت ہے، عنبسہ بن عبد الرحمٰن قرشی کے بارے میں ابو حاتم رازی نے کہا: یہ جھوٹی حدیثیں گھڑتا تھا، اور محمد بن زاذان متروک راوی ہے۔ ہیّاج بن بسطام بھی ضعیف ہے۔ (دیکھیں: البدر المنیر: ۵/ ۶۷۷، مجمع الزوائد: ۳/ ۱۷۳، الضعیفۃ: ۲/ ۱۰)۔

حدیث نمبر(۹): عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: .. مَنِ اعْتَكَفَ يَوْمًا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ جَعَلَ اللَّهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّارِ ثَلَاثَ خَنَادِقَ، كُلُّ خَنْدَقٍ أَبْعَدُ مِمَّا بَيْنَ الْخَافِقَيْنِ. ترجمہ: ''ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص اللہ کی رضا کے لئے ایک دن کا اعتکاف کرتا ہے، اللہ تبارک وتعالی اس کے اور جہنم کے درمیان تین خندقوں کا فاصلہ کر دیتا ہے۔ ہر خندق مشرق ومغرب کے درمیانی فاصلے سے زیادہ لمبی ہے''۔

تخریج وتبصرہ:

اسے طبرانی نے (الاوسط: ج۷، ص۲۲۰، حدیث نمبر ۷۳۲۶) اور بیہقی نے (شعب الایمان: ج۵، ص۴۳۵، حدیث نمبر ۳۶۷۹۔ میں) بطریق: بشر بن سلم، عن عبد العزیز بن ابی رَوّاد، عن عطاء بن ابی رباح، عن ابن عباس رضی اللہ عنہما مرفوعاً روایت کیا ہے۔

بِشر بن سَلْم کو ابو حاتم رازی نے ''منکر الحدیث'' کہا ہے۔ (الجرح والتعدیل: ۲/ ۳۵۸)۔ طبرانی نے اسے روایت کرنے کے بعد کہا: بشر بن سلم اسے عبد العزیز سے روایت کرنے میں منفرد ہے۔

لہٰذا ایسے راوی کی روایت قابل تحمل نہیں ہوتی بلکہ منکر کہلاتی ہے۔ بیہقی نے اسے روایت کرنے کے بعد اس کے ضعیف ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ابن حجر نے کہا: ''وفی المتن نکارۃٌ شدیدۃٌ'' یعنی متن حدیث میں سخت نکارت ہے۔ اسی طرح سخاوی نے اسے منکر کہا ہے۔

(التلخیص الحبیر: ۲/۴۱۶، الاجوبۃ المرضیہ فیما سئل السخاوی عنہ من الاحادیث النبویہ: ۲/۷۳۲)۔

حدیث نمبر(۱۰): عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - قَالَ فِي الْمُعْتَكِفِ: هُوَ يَعْكِفُ الذُّنُوبَ، وَيُجْرَى لَهُ مِنَ الْحَسَنَاتِ كَعَامِلِ الْحَسَنَاتِ كُلِّهَا. ترجمہ: ’’ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے معتکف کے بارے میں ارشاد فرمایا: وہ (معتکف) گناہوں سے کنارہ ہو جاتا ہے اور اسے عملاً نیک اعمال کرنے والے کی مثل پوری پوری نیکیاں عطا کی جاتی ہیں‘‘۔

تخریج وتبصرہ:

اسے ابن ماجہ نے (السنن: کتاب الصیام، باب فی ثواب الاعتکاف، ج۲، ص۶۵۸، حدیث نمبر: ۱۷۸۱، میں) بطریق: عیسی بن موسی بخاری، عن عُبیدۃ العمّی، عن فَرقد، عن سعید بن جبیر، عن ابن عباس رضی اللہ عنہما مرفوعاً روایت کیا ہے۔

اس سند میں عبیدہ مجہول اور فرقد ضعیف راوی ہیں جبکہ عیسی بن موسی مدلس راوی ہے ابن حجر نے مرتبہ رابعہ میں انہیں ذکر کیا ہے۔ (دیکھیں: تعریف اہل التقدیس: ۱/۱۶۸ مصباح الزجاجہ للبوصیری: ۲/۸۵)۔

مذکورہ علتوں کی بنا پر یہ حدیث سخت ضعیف ہے۔ واللہ اعلم بالصواب!

نوٹ: اعتکاف کی فضیلت کے لیے یہ بات کافی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس عبادت کا خصوصی اہتمام فرماتے تھے اور ہر سال رمضان میں دس دن اعتکاف فرماتے تھے اور اتنی پابندی کرتے کہ ایک مرتبہ جب آپ اعتکاف میں نہ بیٹھ سکے تو آپ نے شوال کے آخری دس دن اعتکاف فرمایا اور جس سال آپ ﷺ کی وفات ہوئی اس سال آپ نے دس دن کے بجائے ۲۰ دن اعتکاف فرمایا۔ صحیحین میں یہ ساری حدیثیں موجود ہیں۔ واللہ الموفق۔

محترم قارئین! مذکورہ بالا احادیث کے علاوہ اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں جنہیں محدثین نے ضعیف، منکر، باطل یا موضوع قرار دیا ہے۔ لیکن پھر بھی بعض واعظین خصوصی طور پر ماہ رمضان کے موقعے پر انہیں دانستہ یا غیر دانستہ بیان کرتے رہتے ہیں۔ اس مختصر مقالے کا مقصدِ تحریر یہ ہے کہ ہمیں (علماء وعوام سب کو) دینی امور میں محتاط رہنے کی ضرورت ہے کیوں کہ ضعیف روایات کے بارے میں راجح اور درست بات یہی ہے کہ احکام وفضائل دونوں میں ناقابل عمل ہیں اور جہاں تک موضوع روایات من گھڑت روایات کی بات ہے تو اہل علم کا متفقہ فیصلہ ہے کہ کسی حدیث کے بارے میں یہ جانتے ہوئے کہ یہ جعلی حدیث ہے اسے بیان کرنا ہی جائز نہیں، بلکہ حرام ہے۔ ہاں اگر کوئی اسے روایت کرنے کے ساتھ ہی ساتھ یہ بیان کر دے کہ یہ موضوع حدیث ہے تو اتنی اجازت ہے۔

اللہ ہمیں ماہ رمضان کے فضائل واحکام کو ثابت شدہ نصوص کی روشنی میں جاننے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین!

☆☆☆

سحری: احکام اور فوائد

محمد ہاشم بشیر احمد مدنی

ماہ رمضان ایک معزز اور مبارک مہینہ ہے، اس میں جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں۔ یہ ایسا مہینہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے تمام مہینوں پر فضیلت بخشی ہے اس مہینے کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر یہ خاص احسان کیا ہے کہ اس نے ان کے لئے جہنم سے آزادی کا دروازہ کھول دیا ہے۔ لہٰذا مومنوں کو اس ماہ مبارک کے ایک ایک گوشے پر بھرپور توجہ دینا چاہئے اور اس مہینہ میں دیگر مہینوں کے بالمقابل نیکی کے حصول اور خیرات وحسنات کی سبقت میں خصوصی اہتمام کرنا چاہئے، کیونکہ یہ مہینہ نہایت محترم ومبارک مہمان ہے جو سال میں صرف ایک بار ہی ہمارے پاس آتا ہے۔

ماہ رمضان المبارک اپنے آپ میں نیکیوں کا موسم بہار اور فضیلتوں وبرکتوں کا بحر ذخار اور اللہ کی رحمتوں اور مغفرتوں کے حصول کا اہم ذریعہ ہے، اس مہینہ کے گوناگوں بہت سارے مسائل اور گوشے وجوانب ہیں، جن کا اس مختصر مضمون میں احاطہ کرنا محال نہیں تو مشکل ضرور ہے۔، تاہم اس مضمون میں رمضان المبارک کے مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ ''سحری کے احکام وفوائد'' کو ضبط تحریر میں لانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ **وباللہ التوفیق ولہ الحمد والمنة**

سحری کی تعریف: سحری اس کھانے کو کہا جاتا ہے جو روزہ رکھنے کی نیت سے سحر کے وقت کھایا جاتا ہے، سحر رات کے آخری حصہ کو کہا جاتا ہے۔

سحری کا حکم: سحری کھانا سنت مؤکدہ اور ایک مسنون عمل ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس پر ابھارا اور رغبت دلائی ہے اور اسے ترک کرنے سے منع فرمایا ہے، لہٰذا ایک فرد مسلم کو سحری کھانے میں سستی وکاہلی اور کوتاہی سے کام نہیں لینا چاہئے۔ بلکہ اس کی برکت حاصل کرنے کے لئے پابندی سے سحری کھانا چاہئے اور نبی کریم ﷺ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اسے ترک نہیں کرنا چاہئے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''**وإن تطیعوہ تھتدوا**'' اور اگر تم اس کی اطاعت کروگے تو ہدایت یاب ہوگے [النور:۵۴]۔

سحری کی فضیلت: رمضان المبارک میں سحری کھانے کی فضیلت اور اس کے فیوض وبرکات کا بکثرت تذکرہ ہمیں احادیث مبارکہ میں ملتا ہے، کیونکہ نبی اکرم ﷺ بالالتزام روزے کا آغاز سحری کھانے سے فرماتے۔ جیسا کہ درج ذیل احادیث مبارکہ سے ثابت ہے:

(۱) انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''**تسحّروا فإن فی السحور برکة**'' (صحیح مسلم، کتاب الصیام: ۱۰۹۵) سحری کھایا کرو

کیونکہ سحری میں برکت ہے۔

(۲) عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "**فصل ما بين صيامنا وصيام أهل الكتاب، أكلة السحر**" (مسلم:۱۰۹۶) ہمارے اور اہل کتاب کے روزوں کے درمیان سحری کھانے کا فرق ہے۔

(۳) ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "**فإن الله وملائكته يصلون على المتسحرين**" (مسند احمد:۱۱۱۰۲) اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے سحری کرنے والوں پر رحمت نازل کرتے ہیں۔

(۴) ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "**السحور أكلة بركة فلا تدعوه**" (مسند احمد:۱۱۱۰۲) سحری سراپا برکت ہے، اسے ترک نہ کیا کرو۔

(۵) حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا: "**وهو يدعو إلى السحور في شهر رمضان، فقال هلمّوا إلى الغداء المبارك**" (صحیح ابن حبان:۸/۲۴۴ حدیث نمبر: ۳۴۶۵، السنن الکبری للبیہقی:۲۳، حدیث نمبر:۷۹۰۵)۔

سحری کا وقت: سحری کا وقت آدھی یا تہائی رات کے بعد کا حصہ ہے جو طلوع صادق تک رہتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "**وكلوا واشربوا حتى يتبين لكم الخيط الأبيض من الخيط الأسود من الفجر**" (البقرہ: ۱۸۷) کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ صبح کی سفیدی رات کی سیاہی سے نمایاں ہو جائے۔

عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: "**يارسول الله إني أجعل تحت وسادتي عقالين عقالا أبيض وعقالا أسود أعرف الليل من النهار فقال له رسول الله ﷺ إن وساد تك لعريض، إنما هو سواد الليل وبياض النهار**" اے اللہ کے رسول ﷺ میں اپنے تکیہ کے نیچے دھاگے رکھتا ہوں، سفید دھاگہ اور کالا دھاگہ تاکہ دن میں سے رات کو جان سکوں، تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے کہا: تمہارا تکیہ بہت کشادہ ہے، وہ تو رات کا کالا پن ہے اور دن کی سفیدی ہے۔

یعنی آیت سے مراد کالے اور سفید دھاگہ کا الگ الگ نظر آنا نہیں بلکہ رات اور دن کا الگ الگ ہونا ہے (صحیح مسلم:۱۰۹۰)

سحری کا افضل ترین وقت: سحری طلوع فجر کے جس قدر قریب کھائی جائے وہ اس کا افضل اور بہتر وقت ہے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہی عمل رہا ہے۔ (مصنف عبدالرزاق: ۷۵۹۱، الفتح: ۴/۱۹۹) نیز ایک دوسری روایت میں ہے: "**عن زيد بن ثابت رضي الله عنه أنه قال تسحرنا مع النبي ﷺ ثم قام إلى الصلاة، قلت كم بينهما؟ قال قدر خمسين أو ستين آية**" (صحیح بخاری: ۱۹۲۱، صحیح مسلم: ۱۰۹۷) زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سحری کھائی پھر نماز کے لئے کھڑے ہوئے میں نے عرض کیا کہ "سحری کھانے اور نماز کے درمیان کتنا وقفہ تھا انہوں نے کہا پچاس یا ساٹھ آیت کے برابر"۔ (صحیح مسلم:۵۸)

طلوع فجر سے پہلے پہلے سحری کھالینی چاہئے: نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے: "**الفجر فجران: فجر يحرم فيه الطعام وتحل فى الصلاة، وفجر تحرم فيه الصلاة ويحل فيه الطعام**" (صحیح ابن خزیمہ: ۳۵۶، الحاکم: ۱۹۱/۱ بروایت ابن عباسؓ) ایک فجر کھانے کو حرام کردیتی ہے اور نماز کو حلال اور دوسری فجر نمازِ فجر کو حرام کردیتی ہے اور کھانے (سحری) کو حلال۔

یعنی صبح کاذب میں روزہ رکھنے والے کے لئے کھانا جائز ہے اور نماز فجر پڑھنا حرام ہے، کیونکہ ابھی اس فجر کا طلوع نہیں ہوا ہے، جس میں نماز فجر پڑھی جاتی ہے، البتہ دوسری فجر جسے صبح صادق کہتے ہیں اس میں روزہ رکھنے کی نیت کرنے والے کے لئے کھانا حرام ہوجاتا ہے اور نماز فجر حلال ہوجاتی ہے نیز اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں رمضان کی راتوں میں کھانے پینے کی حد فجر صادق ہی رکھی ہے۔ لہٰذا فجر صادق کا ثبوت ہوجانے کے بعد سحری کھانا بند کردینا ضروری ہے۔

اگر مؤذن وقت سے پہلے اذان دیتا ہے: تو اس کی اذان پر سحری بند کرنا ضروری نہیں ہے، نبی اکرم ﷺ کی درج ذیل حدیثیں اسی پر محمول ہیں۔ ارشاد نبوی ہے: ''بلال رات کو اذان دیتا ہے جب تک ابن ام المکتوم اذان نہ دے اس وقت تک کھاؤ اور پیو۔ (صحیح بخاری: ۶۱۷، صحیح مسلم: ۱۰۹۷، بروایت عبداللہ بن عمر) نیز ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "**إذا سمع أحدكم النداء والإناء على يده فلايضعه حتى يقضى حاجته منه**" جب تم میں سے کوئی اذان سنے اور کھانے کا برتن اس کے ہاتھ میں ہو تو وہ اس وقت تک برتن نہ رکھے جب تک اس میں سے اپنی ضرورت پوری نہ کرلے۔ (ابوداؤد: ۲۳۵۰)

(اس مسئلہ کی مکمل تحقیق کے لئے سلسلۃ الأحادیث الصحیحۃ للعلامۃ الألبانی: حدیث نمبر: ۱۳۹۴، میں ملاحظہ فرمائیں) مندرجہ بالا حدیث میں اس بات کا جواز ملتا ہے کہ اگر سحری کھاتے کھاتے اذان شروع ہوگئی اور ابھی کھانے کی حاجت ہے تو جو کھانے کی چیز ہاتھ میں ہے اسے چھوڑنے کے بجائے کھالیا جائے، لیکن اس بات کا ہرگز کوئی جواز نہیں کہ اذان سے کچھ لمحات پہلے ہاتھوں میں چیزیں تھام لی جائیں تاکہ دیر تک کھائی جاسکیں۔

کیا دیگر عبادات کی طرح سحری میں بھی طہارت شرط ہے: ابوبکر بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں اور میرے والد عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ "**أشهد على رسول الله ﷺ إن كان ليصبح جنبا من جماع غير احتلام ثم يصوم**" میں گواہی دیتی ہوں کہ رسول اللہ ﷺ احتلام کے سبب سے نہیں بلکہ جماع کے سبب سے حالت جنابت میں صبح کرتے اور غسل کئے بغیر روزہ رکھتے۔ پھر ہم دونوں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور انہوں نے بھی یہی بات کہی۔ (صحیح بخاری: ۱۸۳)

عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس بیان میں یہ دلیل موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ جنابت کی حالت میں روزہ رکھ لیتے تھے، اور یہ یقینی بات ہے کہ نماز فجر سے پہلے غسل فرمالیتے تھے۔

سحری کی حکمت اور فوائد: سحری کھانے میں بڑے ہی فوائد اور اس کی بڑی عظیم حکمتیں ہیں۔ ذیل کے سطور میں چند کی طرف مختصرا اشارہ کیا جارہا ہے:

(۱) سنت کی پیروی (۲) اہل کتاب کی مخالفت (۳) عبادات الٰہی کی رغبت (۴) نشاط وچستی (۵) صدقہ وخیرات کا موقع (۶) ذکر ودعا کیونکہ یہ وقت دعا کی قبولیت کا وقت ہوتا ہے اور اس وقت میں اللہ تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔

(۷) روحانی فیوض وبرکات سے قطع نظر سحری دن میں روزے کی مقبولیت کا باعث بنتی ہیں، اس کی وجہ سے روزے میں کام کی زیادہ رغبت پیدا ہوتی ہیں۔

(۸) سحری رمضان کے دنوں میں کمزوری اور سر چکرانے سے روکتی ہے۔

(۹) سحری انسان کو بھوک وپیاس کی شدت کو کم کرتی ہے۔

(۱۰) روزہ کے دوران سستی کاہلی اور زیادہ سونے کی چاہت سے روکتی ہے۔

(۱۱) سحری کے فوائد میں سے ایک اہم فائدہ یہ بھی ہے کہ یہ قوت ہاضمہ کو چست اور درست رکھتی ہے۔

(۱۲) اس کا سب سے بڑا روحانی فائدہ یہ ہے کہ روزہ کے دوران بندۂ مومن کو اللہ کی اطاعت وفرمانبرداری پر سحری ممد ومعاون ثابت ہوتی ہے۔

(۱۳) طبی ماہرین بتاتے ہیں کہ سحری ماہ رمضان المبارک میں افطاری کی بہ نسبت زیادہ اہمیت کی حامل ہے، کیونکہ اس سے روزہ دار کو دن بھر قوت فراہم ہوتی ہے، اور وہ حرکت ونشاط میں رہتا ہے۔

(۱۴) ماہرین اطباء کا کہنا ہے کہ سحری کھانا رسول اللہ ﷺ کی سنت مبارکہ ہے، اور آپ ﷺ نے اس کی تاکید بھی فرمائی ہے، یہ صحت کے لئے انتہائی ضروری ہے۔ اور مزید بتاتے ہیں کہ انسانی صحت کے لئے اس کے جسم میں پانی کی مقدار کا صحیح ہونا ضروری ہے، رمضان المبارک کے دوران اعتدال سے کھانا کھانا چاہئے، اس کے لئے سحری انتہائی اہمیت کی حامل ہے، نبی آخر الزماں ﷺ نے بھی مسلمانوں کو سحری کی تاکید فرمائی ہے، تاہم بعض افراد کاہلی اور نیند کے باعث سحری کے لئے نہیں اٹھ پاتے، اور بغیر سحری کھائے روزہ رکھ لیتے ہیں، طبی ماہرین کے نزدیک یہ رویہ غلط ہے۔

(۱۵) ماہرین اطباء کا کہنا ہے کہ روزہ داروں کو سحری ضرور کرنا چاہیے تاکہ دن بھر ہمارے جسم میں پانی اور توانائی کی کمی نہ ہو، اس سلسلے میں ہمیں سحری میں ایسی غذا استعمال کرنا چاہئے جس میں کاربوہائیڈریٹس زیادہ ہوں۔

اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں کو رمضان المبارک کے فیوض وبرکات اور سحری کے احکام ومسائل پر عمل کرنے اور اس کے اسرار ورموز کو سمجھنے اور فوائد وثمرات سے محظوظ ہونے کی توفیق ارزانی کرے، آمین!

☆☆☆

استقامت وثبات قدمی کے دس قاعدے

ترجمہ: محمد محبّ اللہ بن محمد سیف الدین المحمدی

(دوسری قسط)

محترم قارئین۔ گزشتہ قسط اول میں استقامت فی الدین کے چار قاعدے کا ذکر بالتفصیل کیا گیا ہے اس قسط میں بقیہ کچھ قواعد کا ذکر کیا جارہا ہے تاکہ فتنوں کے کثرت کے اس زمانے میں راہ حق کی رکاوٹوں کو بالائے طاق رکھ کر راہ حق اور صراط مستقیم پر جمے وڈٹے رہیں۔ جیسا کہ بعض صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جامع ومفید نصیحت طلب کیا۔ تاکہ استقامت وثبات قدمی حاصل ہو اور ہر طرح سے راہ حق کی رکاوٹوں کو دور کر کے صراط مستقیم پر گامزن رہیں۔

سفیان بن عبداللہ ثقفی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا، یا رسول اللہ! آپ مجھے اسلام میں کوئی ایسی بات بتلائیں کہ آپ کے بعد مجھے کسی اور سے پوچھنے کی ضرورت نہ رہے؟ فرمایا: (قُلْ آمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ) کہو میں اللہ پر ایمان لایا، پھر اس پر خوب ثابت قدم رہ۔ (صحیح مسلم، الإیمان، باب جامع اوصاف الإسلام)

آمنتُ باللہ :

یہ ایک عہد وپیمان ہے جس کا معنی ہے، میں نے اللہ تعالیٰ کے ہر حکم ہر ہدایت کو دل وجان سے مان لیا اور دین اسلام پر عمل کرنے کی ذمہ داری کو قبول کرلیا۔

استقامت: استحکام وپختگی اور مضبوطی جم جانا، ڈٹ جانا، استقلال وپامردی دکھانا، اس لیے استقامت کا تقاضا ہے کہ انسان اس اقرار اور معاہدے سے انحراف اختیار کیے بغیر زندگی بھر اسلام کے احکام کی پابندی اور التزام کرے، ہر قسم کے گرم، سرد حالات، کڑے سے کڑے اور مشکل سے مشکل مرحلہ میں اس کے پائے استقامت میں ضعف، اضمحلال نہ آئیں اور کسی مرحلہ پر بھی اس کے پاؤں نہ ڈگمگائیں۔ اس لیے امام ابوالقاسم قشیری نے لکھا ہے: کہ استقامت درجہ ہے، جس کے نتیجہ میں تمام کام، کامل طریقہ پر سرانجام پاتے ہیں تمام نیکیاں اور بھلائیاں وجود میں آتی ہیں جس شخص میں استقامت واستقلال نہ ہو اس کی ہر کوشش رائیگاں جاتی ہے۔ (شرح مسلم نووی: 1/48) (تحفۃ المسلم شرح صحیح مسلم، صفحہ 159)

آیئے ذیل کے سطور میں استقامت کے مزید کچھ اصول وقواعد کا ذکر کیا جارہا ہے۔

پانچواں قاعدہ: استقامت کا تعلق قول وعمل اور نیت وارادے سے ہے۔ یعنی استقامت کا رشتہ انتہائی قوی ہے قول وقرار، عمل وحرکات وارادئے سے، بندہ سے مطلوب ہے کہ اس کی گفتگو میں استقامت ہو، اس کے اعضاء وجوارح کے حرکت وشغل میں استقامت ہو، اس

کے ارادوں ونیتوں میں استقامت ہو، امام ابن القیم الجوزیہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب مدارج السالکین میں فرمایا۔ استقامت کا تعلق اقوال وافعال، احوال وکوائف ونیات وارادے سے ہے۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" لا يستقيم إيمان عبد حتى يستقيم قلبه ولا يستقيم قلبه حتى يستقيم لسانه "

کسی آدمی کا ایمان اس وقت تک درست نہیں ہوسکتا، جب تک کہ اس کا دل درست نہیں ہوتا اور کسی کا دل اس وقت تک صحیح نہیں ہوسکتا، جب تک اس کی زبان راہ راست پر نہیں آجاتی۔

ابن رجب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ دل میں استقامت کی صفت پیدا ہونے کے بعد سب سے اہم چیز بدن کے حصے میں، زبان میں استقامت پیدا ہونا ہے، اسلئے کہ زبان دل کا ترجمان ہے جو دل میں کھٹکتی ہے زبان اس کو تعبیر کا جامہ پہناتی ہے۔ (جامع العلوم والحکم صفحہ نمبر 386)

گزشتہ سطور سے یہ بات مترشح ہوگئی کہ استقامت کے باب میں زبان اور دل کتنا اہم ہیں، اگر زبان میں کجی اور دل میں بگاڑ ہے تو کوئی بھی بندہ استقامت وثبات قدمی کے اوصاف سے متصف نہیں ہوسکتا۔ دل اور زبان انتہائی اہم رول ادا کرتے ہیں بندہ کو صراط مستقیم پر چلانے اور راہ ہدایت پر گامزن رکھنے کے لئے، جسم کے درست یا خراب ہونے کا اصل مرکز دل ہے۔ کیونکہ سارے اعضاء دل ہی کی بات مانتے ہیں، دل کہتا ہے تو ہاتھ اٹھ جاتا ہے آنکھ کھل جاتی ہے پاؤں چل پڑتے ہیں اور اگر وہ کہتا ہے تو آنکھ بند ہوجاتی ہے ہاتھ نیچے ہوجاتا ہے اور پاؤں رک جاتے ہیں۔ دل کسی چیز کی خواہش کرتا ہے تو عقل اس کے جواز کے دلائل کا انبار لگا دیتی ہے اگر نفرت کرتا ہے تو دوسری جانب کی دلیلیں نکال لاتی ہے۔ المہم دل کا کلیدی کردار ہے ظاہری وباطنی طور پر اعضاء وجوارح کی صحت وسلامتی اور فساد وبگاڑ میں، یہی وجہ ہے کہ بعض علماء نے کہا ہے "الـــمـــرء بـأصغريه قلبه ولسانه " کہ آدمی دو انتہائی چھوٹی چیز یعنی دل اور زبان سے جانا پہچانا جاتا ہے، یعنی انسان کا مقام اور رتبہ انھیں دو چیزوں سے متعین ہوتی ہے۔ دل کیسا ہے اور زبان کیسی ہے۔ غور کریں زبان اور دل کتنا چھوٹا سا ٹکڑا ہے بدن کا لیکن ان دونوں کے اثرات ہمہ گیر ہیں، زبان اور دل کے تابع وفرمابردار ہے بدن کے مکمل دوسرے پارٹ وحصے، جب زبان اور دل میں استقامت آجاتی ہے تب پورا جسم بھی استقامت اختیار کر لیتا ہے، زبان اور دل کے انہیں اثرات کو حدیث کے اندر بھی بیان کیا گیا ہے، دل کے سلسلے میں نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سن لو بدن میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے جب وہ درست ہوگا تو سارا بدن درست ہوگا اور جہاں بگڑا سارا بدن بگڑ گیا۔ سن لو وہ ٹکڑا آدمی کا دل ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صلاح وفساد کا دارومدار انسان کے دل پر ہے۔

یعنی جس شخص کے دل میں بگاڑ ہوگا اس کے دیگر اعضاء سے صادر ہونے والے اعمال بھی اس کے آئینہ دار ہوں گے۔ اس کے ساتھ ایمان کا تعلق ہے اور یہی محل نیت

ہے۔ حلال وحرام اور مشتبہات میں فیصلے کے لیے بھی دل ہی رہنمائی کرتا ہے، لہٰذا اسے درست رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اگر دل درست ہے تو پیچیدہ سے پیچیدہ معاملات اور انتہائی گنجلک مسائل میں بھی دل استقامت وثبات قدمی کی رہنمائی کرتا ہے قدم لڑکھڑانے سے روکتا ہے اور صحیح ٹریک پر چلنے کی ہدایت کرتا ہے، طبی لحاظ سے بھی اعضاء کی صحت وسقم کا مدار دل پر ہے۔ اگر اس میں بگاڑ آ جائے تو پورا نظام جسم بگاڑ کا شکار ہوجاتا ہے۔ صلاح قلب کی صورت یہ ہے کہ اس میں مندرجہ ذیل چیزیں پیدا ہوجائیں: اللہ کی محبت، رضا بالقضاء والقدر، توکل علی اللہ، صبر وشکر، رجا وخوف، فکر آخرت، توبہ وانابت اور قناعت و تواضع۔

فساد قلب کی صورت یہ ہے کہ اس میں درج ذیل اشیاء آ جائیں، تکبر وغرور، خود پسندی، حسد وحقد، حب مال وجاہ، بخل وحرص، طول امل (لمبی امیدیں) کثرت ضحک، اکل کثیر اور لایعنی ولچر پوچ گفتگو۔

اور زبان کے تعلق سے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انسان جب صبح کرتا ہے تو اس کے سارے اعضاء زبان کے سامنے اپنی عاجزی کا اظہار کرتے ہیں اور کہتے ہیں: تو ہمارے سلسلے میں اللہ سے ڈر اس لیے کہ ہم تیرے ساتھ ہیں اگر تو سیدھی رہی تو ہم سب سیدھے رہیں گے اور اگر تو ٹیڑھی ہوگئی تو ہم سب بھی ٹیڑھے ہو جائیں گے۔

اس حدیث میں زبان کو سارے اعضاء کے سدھار کا مرکز بتایا گیا ہے، چونکہ زبان دل کا ترجمان ہے زبان دل کا غلام ہے دل کوئی حکم کرتا ہے زبان کو تو زبان اس کو نافذ کرتی ہے اور زبان ودل کے اشاروں وحکموں کا بندہ وغلام ہے پورا جسم، اس لئے واجب ہے کہ ہر مسلمان اصلاح قلب کی فکر کرے اور رب سے دعا کرے کہ دل کی بیماریوں (فساد قلب، قساوت قلب، وغیرہ) سے انہیں نجات دے پھر اپنی زبان کی اصلاح کی کوشش کرے تمام اعضاء انسانی میں دل وزبان کو رہنما اور لیڈر کی حیثیت حاصل ہے اور ظاہری بات ہے جب رہنما راہ راست سے بھٹکے گا تو اس کا انجام بھی اتنا ہی بھیانک اور خطرناک ہوگا۔

چھٹا قاعدہ: استقامت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کیلئے اخلاص اور اسی سے استعانت طلب کرتے ہوئے صراط مستقیم پر چلنا ہے۔

بالفاظ دیگر استقامت وثبات قدمی تین چیزوں کا نام ہے۔

۱۔ للہ۔ یعنی اخلاص و للّٰہیت کے ساتھ بندہ استقامت اختیار کرے انتہائی خلوص اور یکسوئی کے ساتھ اللہ کے رضاء کیلئے اور ثواب وجزاء کی امید کرتے ہوئے صراط مستقیم اور نہج قویم پر چلے اور عامل کتاب وسنت بنے اور اس میں کسی طرح کا دکھاوا، ریا ونمود نا ہو بلکہ صرف اور صرف اللہ کے لئے ہو جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔ "وَمَـــا أُمِـرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ "(البینة: ۵)

ترجمہ: انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا، کہ صرف اللہ کی عبادت کریں اسی کے لئے دین کو خالص رکھیں،

۲۔وباللہ۔یعنی استقامت کو متحقق کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ ہی سے مدد مانگے اسی سے استعانت طلب کرے اسلئے کہ اللہ تعالیٰ سے استعانت طلب کئے بغیر استقامت حاصل نہیں ہوسکتا اور نا ہی بندہ صحیح راستہ کی رہنمائی حاصل کرسکتا ہے،جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ، (سورۂ ھود 123)

ترجمہ: پس تجھے اس کی عبادت کرنی چاہیے اور اسی پر بھروسہ رکھنا چاہیے اور تم جو کچھ کرتے ہو اس سے اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں۔

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ. ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں،

اور صحیح حدیث میں بھی ہے۔احْرِصْ عَلَى مَا يَنْفَعُكَ وَاسْتَعِنْ بِاللَّهِ. جس چیز سے تمہیں (حقیقی) نفع پہنچے اس میں حرص کرو اور اللہ سے مدد مانگو،

۳۔علی امر اللہ۔یعنی اللہ تعالیٰ نے جس راستہ اور طریق کی طرف چلنے کا حکم دیا ہے اسی پر چلے اور اسی طریق پر چلنے میں استقامت کو اپنائے۔اور اس میں کسی طرح کی کجی اور ٹیڑھا پن کو نا اپنائے۔جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے۔ فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ.

پس آپ جمے رہیئے جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے۔

ساتواں قاعدہ: بندہ اپنے عمل سے دھوکہ نا کھائے چاہے وہ کتنا بھی عمل کرے اور استقامت اختیار کرے۔

یعنی بندہ کو چاھئے کہ کثرت عبادت پر مفتخر نہ ہو اور نہ ہی وہ اپنے نیک اعمال کی وجہ سے دھوکہ میں پڑ جائیکہ صلاح وتقویٰ اور عبادات وطاعات کا حق ادا کر دیا اور جنت بک کرلیا گیا۔جیسا کہ ابن القیم الجوزیہ رحمہ اللہ نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ بندہ سے مطلوب تو سداد (مکمل استقامت وثبات قدمی) ہے اور اگر سداد تک رسائی نہ ہو سکے تو مقاربہ یعنی سداد کے بالکل قریب ضرور ہو جائے اور اگر مقاربت سے نیچے اتر گیا تو اس میں اضاعت، بربادی وہلاکت ہے، جیسا کہ صحیحین میں ہے "نیک عمل کرتے وقت حد سے نہ بڑھو بلکہ قریب قریب رہو،یعنی میانہ روی اختیار کرو۔تمہیں خوشی ہونی چاہئے کہ کوئی بھی اپنے عمل کی وجہ سے جنت میں نہیں جائے گا۔صحابہ کرام نے عرض کیا: اللہ کے رسول! آپ بھی نہیں؟ فرمایا: میں بھی مگر اس وقت جب اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت اور مغفرت کے سائے میں ڈھانپ لے۔

خلاصۃ الکلام یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ رحم وکرم عفو و مغفرت کا معاملہ نا فرمائے تو کوئی بندہ نجات نا پائے لہٰذا اپنے صالح عمل پر فخر نہ کرے اور نا اس دھوکہ میں رہے کہ ہمارے لئے جنت فیکس ہے۔بلکہ مزید نیک اعمال کرے اور شرف قبولیت کی دعاء کرے اور استقامت اختیار کرے اور رب سے عفو ومغفرت فضل وکرم کی دعاء کرے۔

آٹھواں قاعدہ: دنیا میں استقامت اختیار کرنے کا نتیجہ یہ ہے کہ آخرت میں استقامت حاصل ہوگا۔اور پل صراط سے عبوری آسان ہو جائے گی۔

جسے اس دنیا میں صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق نصیب ہوئی اسے روز آخرت پل صراط سے صحیح سالم گزرنے کی توفیق بھی ملے گی، پل صراط جہنم پر بنا ہوا ایک پل ہے، یہ پل بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے،لوگ

اس پل پر سے اپنے اعمال واستقامت کے مطابق گزریں گے، چنانچہ جو شخص دنیاوی زندگی میں نیکیاں کرنے میں تاخیر نہیں کرتا تھا بلکہ فوری کرگزرتا تھا تو وہ پل صراط سے بھی فوری گزر جائے گا اور جو شخص تاخیر کا شکار رہتا اور جس کے اعمال میں بداعمالیاں بھی شامل تھیں، اللہ تعالی نے اس کی بداعمالیوں کو معاف نہیں فرمایا ہوگا تو وہ ممکن ہے کہ جہنم میں گر جائے، پل صراط پر گزرتے ہوئے لوگوں کی مختلف رفتار ہوگی، کچھ تو پلک جھپکنے میں گزر جائیں گے اور کچھ بجلی کی تیزی سے عبور کریں گے، کچھ ہوا کی رفتار سے اور کچھ تیز رو گھوڑے کی طرح جبکہ کچھ اونٹ جیسی دیگر سواریوں کی رفتار میں گزریں گے، کچھ رینگتے ہوئے اور کچھ ایسے بھی ہوں گے جنہیں جہنم میں ڈال دیا جائے، اس پل صراط پر سے صرف مومن ہی گزریں گے، جبکہ کافروں کو یہاں سے نہیں گزارا جائے گا، کافروں کو روزِ قیامت براہ راست جہنم میں ڈال دیا جائے گا، جیسا کہ ابن القیم الجوزیہ رحمہ اللہ نے فرمایا جس شخص کو اس دنیا میں اللہ تعالی کے راہ مستقیم کی ہدایت ملی (یعنی جس راہ مستقیم کو لیکر انبیاء آئے اور کتابیں نازل کی گئیں) تو قیامت کے دن جو پل جہنم پر بنایا جائے گا اس پل سے گذرنے کی توفیق بھی انھیں ملے گی جس سے گذر کر وہ راہ صراط مستقیم سیدھے جنت میں چلا جائے گا اور ثواب وجزاء کا مستحق ٹھہرے گا اور جس قدر وہ اس دنیا میں صراط مستقیم پر چلنے میں استقامت وثبات قدمی اختیار کرے گا اسی کے بقدر وہ پل صراط سے گزرنے میں بھی تیزی دکھائے گا، چنانچہ لوگ اس پل پر اپنے اعمال کے مطابق رفتار سے گزریں گے، کچھ تو آنکھ جھپکنے میں گزر جائیں گے اور کچھ بجلی کی طرح، کچھ تیز ہوا کی مانند اور کچھ لوگ تیز رو گھوڑوں کی طرح گزریں گے۔ کچھ ایسے بھی ہوں گے جو دوڑ کر گزریں گے، کچھ چل کر اور کچھ رینگتے ہوئے عبور کریں گے کچھ گرتے پڑتے اور گھسٹتے ہوئے۔ یوں کچھ لوگ بالکل صحیح سالم، کچھ زخمی تاہم پل عبور کرلیں گے اور کچھ جہنم میں گر پڑیں گے یعنی ہر شخص اپنے اعمال کے مطابق رفتار کے ساتھ اس پل کو عبور کرے گا۔ لہٰذا بندہ کو چاہئے کہ وہ غور کرے کہ کتنا فکرمند ومتمس ہے صراط مستقیم اور راہ حق پر چلنے اور اسی پر دوام وہمیشگی برتنے کیلئے؟ دنیاوی زندگی میں صراط مستقیم پر استقامت وثبات قدمی ہے یا لومڑیوں کی طرح ادھر ادھر دوڑتے پھرتے رہے ہیں، کبھی شریعت پر عمل کرلئے اور کبھی ہوائے نفس کے غلام بن گئے۔ کبھی مانے سنت تو کبھی من مانی کئے؟؟۔ اسلئے کہ بقدر عمل جزاء وثواب ہے، إنما الجزاء من جنس العمل، اور بندہ یہ بھی دیکھے کہ شبہات وشہوات کیسے راہ مستقیم پر چلنے میں رکاوٹ بن رہے ہیں شبہات وشہوات راستے کے دونوں کنارے کے خاردار کانٹے ہیں جو بندہ کو راہ راست پہ چلنے میں دشواری پیدا کرتے ہیں اور اچک لیتے ہیں، اگر دنیا میں شہوات وشبہات کے کانٹے زیادہ ہوگئے ہیں تو پل صراط کے طرفین بھی نوکیلے کانٹے ہوں گے اور خطرہ ہے کہ اچک لئے جائیں گے۔ اس لئے شبہات وشہوات کے ہمہ گیر فتنوں سے دامن کو بچائے رکھئے ورنہ قیامت کے دن پل صراط کے کانٹے آڑے آجائیں گے اور رکاوٹ بنیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں راہ حق، صراط مستقیم پر استقامت وثبات قدمی عطا فرمائے آمین۔

☆☆☆

پانی کی حفاظت، زندگی کی ضمانت

ڈاکٹر عبدالحلیم بسم اللہ مدنی
استاذِ حدیث جامعہ سلفیہ بنارس

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد المرسلين وعلى آله وصحبه أجمعين ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين أما بعد:

پانی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت ہے اور مخلوقات کے لیے ایک انمول تحفہ ہے، پانی ہی میں تمام انسانوں حیوانوں، جانداروں، پیڑ پودوں، پھلوں اور فصلوں کی زندگی مضمر ہے، پانی ہے تو زندگی ہے، پانی ختم تو زندگی ختم، اسی لئے عرب کہتے ہیں: "الماءُ سِرُّ الحياة" کہ زندگی کا راز پانی ہے اور ہندی میں کہا جاتا ہے "جَل ہی جیون ہے" یعنی پانی ہے تو زندگی ہے، پانی ختم تو زندگی ختم۔ خلاصہ یہ کہ پانی زندگی کے لئے بیحد ضروری ہے، اس کے بغیر انسان، جانور اور پیڑ پودے زندہ نہیں رہ سکتے۔

واقعتاً جب ہم اپنے ارد گرد نظر دوڑاتے ہیں اور سنجیدگی سے اس پر غور کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ عربوں کا یہ مقولہ صد فیصد صحیح ہے، پانی کو ہم اپنے کھانے پینے میں استعمال کرتے ہیں، نہانے دھلنے کے لئے استعمال کرتے ہیں، دانتوں کی صفائی، کپڑوں کی صفائی، گھروں، گاڑیوں کی دھلائی، فصلوں کی سینچائی، وضو، غسل، طہارت غرضیکہ ہر چیز میں پانی کا استعمال روزانہ صبح وشام کرتے ہیں اور اس پانی کا عطا کرنے والا اللہ رب العالمین ہے، جس نے سارے عالم کو پیدا کیا اور اس روئے زمین کے تقریباً تین حصوں کو پانی والا اور ایک حصے کو خشک بنایا، اس میں سے 97 فیصد پانی نمکین ہے اور تین فیصد پانی میٹھا ہے اور اس تین فیصد میٹھے پانی میں سے 70 فیصد پانی برف کی شکل میں پہاڑوں پر موجود ہے اور 30 فیصد پانی زمین کے اندر، دریاؤں، جھیلوں، ندیوں اور آبشاروں میں موجود ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے پانی کو اپنی عظیم حکمت سے مخلوقات کی مصلحت کی خاطر مختلف شکلوں میں محفوظ فرما دیا تاکہ انہیں پانی کی پریشانی لاحق نہ ہو۔

پانی اللہ تعالیٰ کی اولین مخلوقات میں سے ایک ہے، اللہ تعالیٰ نے اسی پانی سے ہر چیز کو پیدا فرمایا جیسا کہ ارشاد باری ہے: ﴿وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ﴾ (الأنبیاء:30) اور پانی سے ہر جاندار چیز کو ہم نے پیدا فرمایا وہ ایمان کیوں نہیں لاتے؟۔

دنیا میں جتنے انسان، حیوان، چرند، پرند، کیڑے، مکوڑے اور جانور ہیں، سب کو اللہ تعالیٰ نے پانی سے پیدا کیا جیسا کہ ارشاد باری ہے: ﴿وَاللَّهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّن مَّآءٍ فَمِنْهُم مَّن يَمْشِي عَلَىٰ بَطْنِهِ وَمِنْهُم مَّن يَمْشِي عَلَىٰ رِجْلَيْنِ وَمِنْهُم مَّن يَمْشِي عَلَىٰٓ أَرْبَعٍ

يَخْلُقُ اللَّهُ مَا يَشَآءُ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴾ (النور:45) اور اللہ نے ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا ہے، ان میں سے بعض اپنے پیٹ کے بل چلتے ہیں اور ان میں سے بعض دو پاؤں پر چلتے ہیں، اور بعض چار پاؤں پر، اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

دنیا میں جو بھی پھل پھول، میوے، غلے، نباتات موجود ہیں ان سب کو اللہ تعالیٰ نے پانی سے پیدا فرمایا۔ ارشاد باری ہے: ﴿وَهُوَ الَّذِي أَنزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَأَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا وَمِنَ النَّخْلِ مِن طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَجَنَّاتٍ مِّنْ أَعْنَابٍ وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ انظُرُوا إِلَىٰ ثَمَرِهِ إِذَآ أَثْمَرَ وَيَنْعِهِ إِنَّ فِي ذَٰلِكُمْ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴾ (الأنعام: 99) اور وہی ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا، پھر اس سے ہم نے ہر طرح کی نباتات اگائی اور ہرے بھرے کھیت پیدا کئے جن سے ہم تہ بہ تہ دانوں والے خوشے نکالتے ہیں اور کھجوروں کے شگوفوں سے گچھے پیدا کرتے ہیں جو (بوجھ کی وجہ سے) جھکے ہوتے ہیں۔ نیز انگور، زیتون اور انار کے باغات پیدا کئے جن کے پھل ملتے جلتے بھی ہوتے ہیں اور الگ الگ بھی۔ ان کے پھل لانے اور پھلوں کے پکنے پر ذرا غور تو کرو۔ ان باتوں میں ان لوگوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں جو ایمان لاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے پانی ایک خاص مقدار میں نازل فرمایا ہے لہٰذا ہمیں اس عظیم نعمت کی قدر کرنی چاہیے اور ہمیں ہر وقت اور ہر لمحہ اس کی اہمیت کا احساس رہنا چاہیے، اور اس کی حفاظت کرنی چاہیے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً بِقَدَرٍ فَأَسْكَنَّاهُ فِي الْأَرْضِ وَإِنَّا عَلَىٰ ذَهَابٍ بِهِ لَقَادِرُونَ ﴾ (المؤمنون:18) اور ہم نے آسمان سے ایک خاص مقدار میں پانی اتارا جسے ہم نے زمین میں ٹھہرا دیا اور بلاشبہ ہم اس کو لے جانے پر بھی قادر ہیں۔

پانی کی اہمیت کا اندازہ مشہور عباسی خلیفہ ہارون رشید رحمہ اللہ کے اس واقعہ سے لگائیں کہ ایک دن ان کو سخت پیاس لگی انہوں نے پینے کے لیے پانی طلب کیا، خلیفہ کے دربار میں موجود ایک عالم دین واعظ جنہیں خلیفہ کو تذکیر آخرت کے لیے بلایا گیا تھا، انہوں نے کہا کہ: اے امیر المومنین! اگر اس پانی کو آپ سے روک لیا جائے تو اس پانی کو آپ کتنی قیمت میں خریدیں گے، خلیفہ نے کہا اپنی آدھی سلطنت دے دوں گا، خلیفہ کو پانی دیا گیا، جب خلیفہ پینے سے فارغ ہوئے تو واعظ نے کہا: اے امیر المومنین! اگر یہ پانی آپ کے پیٹ میں رک جائے اور پیشاب پسینہ وغیرہ بن کر نہ نکلے تو آپ اس کی کتنی قیمت ادا کریں گے خلیفہ نے کہا بقیہ آدھی سلطنت۔ اس پر واعظ نے کہا: اے امیر المومنین! جس سلطنت اور بادشاہت کی قیمت محض ایک گلاس پانی ہے تو چاہیے کہ اس کی محبت میں پڑ کر آپ اپنی آخرت خراب نہ کریں، یہ سن کر خلیفہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

اس واقعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ پانی انمول ہے اس کا صحیح اندازہ اس سے محروم شخص ہی کر سکتا

ہے۔لہٰذا پانی کے استعمال میں بیحد احتیاط کریں، ناجائز استعمال سے بچیں، اسے بیکار اور ضائع نہ کریں، کیونکہ جو اللہ پانی دینے پر قادر ہے، چھین لینے پر بھی قادر ہے اور پانی چھن جانے کے بعد اللہ کے علاوہ کسی کے بس کی بات نہیں کہ وہ پانی پیدا کرسکے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿قُلْ أَرَءَيْتُمْ إِنْ أَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَن يَأْتِيكُم بِمَآءٍ مَّعِينٍ﴾ (الملک:30) آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارا پانی زمین کی تہ میں چلا جائے، تو کون ہے جو تمہارے لئے صاف بہتا ہوا پانی لائے۔

لہٰذا تمام بندوں کو اس عظیم نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر گذار ہونا چاہیے اور اس کی نافرمانی سے بچنا چاہیے۔فرمانِ باری ہے: ﴿أَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِى تَشْرَبُونَ ۔ ءَأَنتُمْ أَنزَلْتُمُوهُ مِنَ الْمُزْنِ أَمْ نَحْنُ الْمُنزِلُونَ. لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنَٰهُ أُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُونَ﴾ (الواقعۃ:70-68) اچھا یہ بتاؤ کہ جس پانی کو تم پیتے ہو، اسے بادلوں سے تم اتارتے ہو یا ہم برساتے ہیں، اگر ہم چاہتے تو اسے نمکین کھارا بنا دیتے، پھر تم شکر کیوں نہیں ادا کرتے ہو؟۔

مندرجہ بالا دلائل سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ پانی اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے، اس کی حفاظت ہر فرد کی ذمہ داری ہے، اس سلسلے میں اسلام کی تعلیمات بیحد واضح ہیں، قرآن وحدیث میں جا بجا اس کی تاکید کی گئی ہے، چنانچہ کھانے پینے میں اسراف سے منع کیا گیا ہے اور جو لوگ اسراف کرتے ہیں ایسے بندے اللہ کو محبوب نہیں، اللہ کا فرمان ہے: ﴿يَٰبَنِىٓ ءَادَمَ خُذُواْ زِينَتَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَكُلُواْ وَاشْرَبُواْ وَلَا تُسْرِفُوٓاْ إِنَّهُۥ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ﴾ (الأعراف:31) اے بنی آدم! جب بھی مسجد میں جاؤ تو آراستہ ہوکر جاؤ اور کھاؤ، پیو لیکن اسراف نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اور جو لوگ اللہ کی نعمتوں کی قدر نہیں کرتے، کھانے پینے کی چیزوں کی اہمیت نہیں سمجھتے، اس کا صحیح استعمال نہیں کرتے، بلاضرورت اسے ضائع اور برباد کرتے ہیں گویا وہ زمین میں فتنہ وفساد بپا کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے خود اس کو فتنہ قرار دیا ہے اور ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے، فرمان باری ہے: ﴿كُلُواْ وَاشْرَبُواْ مِن رِّزْقِ اللَّهِ وَلَا تَعْثَوْاْ فِى الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ﴾ (البقرۃ:60) اللہ کی دی ہوئی روزی میں سے کھاؤ پیو، اور زمین میں فساد کرتے نہ پھرو۔

اللہ کے رسول ﷺ نے بھی اللہ کی عطا کردہ نعمتوں سے فائدہ اٹھانے، حلال چیزوں کو کھانے پینے، پہننے اوڑھنے اور صدقہ وخیرات کرنے کا حکم دیا ہے، لیکن اسراف کرنے سے منع فرمایا ہے جیسا کہ عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے نبی ﷺ نے فرمایا: "كُلُوا وَاشْرَبُوا وَتَصَدَّقُوا وَالْبَسُوا غَيْرَ مَخِيلَةٍ وَلَا سَرَفٍ، وفي رواية: فِي غَيْرِ إِسْرَافٍ وَلَا مَخِيلَةٍ. (مسند أحمد 6695) والنسائی (2559) وإسناده حسن حسّنه الألباني) کھاؤ، پیو، صدقہ کرو، کپڑے پہنو، لیکن کبر وغرور اور اسراف نہ کرو۔

نبی ﷺ نے وضو میں بھی پانی کے اسراف سے منع فرمایا، چنانچہ آپ کے پاس ایک اعرابی (بدو) آیا اور اس نے آپ سے وضو کا طریقہ پوچھا تو آپ ﷺ نے اسے

وضو کر کے دکھلایا اور ہر عضو کو تین تین بار دھلا، اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: هَكَذَا الْوُضُوءُ، فَمَنْ زَادَ عَلَى هَذَا فَقَدْ أَسَاءَ وَتَعَدَّى وَظَلَمَ. (سنن النسائی 140)، وسنن ابن ماجہ (422) ومسند أحمد (6684) وإسناده حسن حسّنه الألباني.

وضو اس طرح ہے۔ جس نے اس سے زیادہ کیا، (یعنی تین بار سے زیادہ دھلا) اس نے برا کیا، حد سے بڑھا اور ظلم کا ارتکاب کیا۔

اسی طرح ایک حدیث ہے جو عوام الناس میں بہت مشہور ہے، خطباء واعظین اکثر اسے اپنے خطبوں اور وعظ کی مجلسوں میں ذکر کرتے رہتے ہیں حالانکہ وہ حدیث ضعیف ہے، اس کی سند میں حیی بن عبداللہ المعافری اور عبد اللہ بن لہیعہ دونوں ضعیف ہیں: عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرِو بن العاص رضى الله عنهما، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِسَعْدٍ، وَهُوَ يَتَوَضَّأُ، فَقَالَ: مَا هَذَا السَّرَفُ فَقَالَ: أَفِي الْوُضُوءِ إِسْرَافٌ، قَالَ: نَعَمْ، وَإِنْ كُنْتَ عَلَى نَهَرٍ جَارٍ (سنن ابن ماجہ (425))، مسند أحمد (7065) وإسناده ضعيف.

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے اس حال میں کہ وہ وضو کر رہے تھے۔ تو نبی ﷺ نے فرمایا: یہ کیا اسراف ہے؟ انہوں نے کہا: کیا وضو میں بھی اسراف ہوتا ہے؟ فرمایا: ہاں، گرچہ تم بہتے دریا پر ہو (یعنی اس کے کنارے بیٹھے ہو) مگر یہ حدیث ضعیف ہے۔

نبی کریم ﷺ نے جہاں لوگوں کو پانی میں اسراف سے منع فرمایا وہیں آپ ﷺ خود بھی حد درجہ پانی کے استعمال میں احتیاط سے کام لیتے تھے جیسا کہ خادم رسول انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ بِالْمُدِّ، وَيَغْتَسِلُ بِالصَّاعِ إِلَى خَمْسَةِ أَمْدَادٍ. متفق علیہ: صحیح البخاری (201) وصحیح مسلم (325) نبی ﷺ ایک مد پانی سے وضو کر لیتے تھے اور ایک صاع (چار مد) سے لے کر پانچ مد تک پانی سے غسل کر لیتے تھے۔

اسی طرح پانی کی حفاظت کے لیے اور اسے گندگی اور آلودگی سے بچانے کے لیے اللہ کے نبی ﷺ نے لوگوں کو اس میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا تاکہ پانی گندہ نہ ہو جائے اور قابل استعمال نہ رہ جائے: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله عنه، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا يَبُولَنَّ أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ ثُمَّ يَغْتَسِلُ مِنْهُ. متفق علیہ: صحیح البخاری (239) وصحیح مسلم (282))

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی بھی شخص ہرگز ہرگز ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے پھر اسی پانی سے غسل کرے۔ لہٰذا پیشاب پر قیاس کرتے ہوئے دوسری نجس اور ناپاک چیزوں کو پانی میں ڈالنے سے احتراز کرنا چاہیے۔

اسی طرح پانی کی حفاظت پر ابھارتے ہوئے نبی ﷺ نے لوگوں کو منع فرمایا ہے کہ وہ صبح نیند سے بیدار ہونے کے بعد اپنے ہاتھوں کو بغیر دھلے پانی کے برتن میں ڈالیں تاکہ ایسا کرنے سے رات میں ہاتھوں میں لگی ہوئی

گندگی پانی میں منتقل نہ ہوجائے اور پانی خراب اور برباد نہ ہوجائے:عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ مِنْ نَوْمِهِ، فَلَا يَغْمِسْ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ حَتَّى يَغْسِلَهَا ثَلَاثًا، فَإِنَّهُ لَا يَدْرِي أَيْنَ بَاتَتْ يَدُهُ. صحیح البخاری(162) وصحیح مسلم(278) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی اپنی نیند سے بیدار ہوتو اس وقت تک اپنا ہاتھ برتن میں نہ ڈالے جب تک اسے تین دفعہ دھو نہ لے کیونکہ اسے معلوم نہیں ہے کہ رات کے وقت اس کا ہاتھ کہاں (کہاں) رہا۔

اسی طرح پانی کو ہر قسم کے جراثیم سے حفاظت کی خاطر نبی ﷺ نے پانی والے برتن میں سانس لینے سے منع فرمایا ہے تاکہ پانی آلودہ نہ ہوجائے۔عن أبي قتادة رضي الله عنه قال: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا شَرِبَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَتَنَفَّسْ فِي الإِنَاءِ". صحیح البخاری(153)، وصحیح مسلم(267)۔

ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی پانی پیئے تو برتن میں سانس نہ لے۔

رات میں سونے سے پہلے پانی کے برتنوں کو ڈھک کر رکھنے کا حکم دیا ہے تاکہ اس میں کوئی موذی اور زہریلا جانور اپنا زہر نہ ڈال دے اور پانی خراب ہوجائے اور پینے والوں کے لیے وبالِ جان بن جائے:عَنْ جَابِرٍ رضي الله عنه، عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: غَطُّوا الْإِنَاءَ، وَأَوْكُوا السِّقَاءَ، وَأَغْلِقُوا الْبَابَ، وَأَطْفِئُوا السِّرَاجَ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَحُلُّ سِقَاءً، وَلَا يَفْتَحُ بَابًا، وَلَا يَكْشِفُ إِنَاءً، فَإِنْ لَمْ يَجِدْ أَحَدُكُمْ إِلَّا أَنْ يَعْرُضَ عَلَى إِنَائِهِ عُودًا، وَيَذْكُرَ اسْمَ اللهِ، فَلْيَفْعَلْ، فَإِنَّ الْفُوَيْسِقَةَ تُضْرِمُ عَلَى أَهْلِ الْبَيْتِ بَيْتَهُمْ. صحیح مسلم(2012) جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: برتنوں کو ڈھانک دو، مشکوں کا منہ بند کردو، دروازہ بند کردو اور چراغ بجھادو، کیونکہ شیطان نہ تو مشکیزے کا منہ کھولتا ہے نہ دروازہ کھولتا ہے اور نہ برتن کھولتا ہے، اگر تم میں سے کسی کو اس کے سوا اور کوئی چیز نہ ملے کہ وہ اپنے برتن پر چوڑائی کے بل لکڑی ہی رکھ دے، یا اس پر اللہ کا نام (بسم اللہ) پڑھ دے تو یہی کرلے کیونکہ چوہیا گھر والوں کے اوپر ان کا گھر جلادیتی ہے۔

محترم قارئین! پانی کے تحفظ سے متعلق یہ واضح اسلامی تعلیمات ہیں، جن پر عمل کرکے ہم پانی کے ہر ہر قطرے کو ضائع اور برباد ہونے سے بچاسکتے ہیں، سب سے پہلی بات یہ ہے کہ ہم پانی کی اہمیت کا خود احساس کریں اور دوسروں کو بھی اس کا احساس دلائیں، خود اس کی حفاظت کریں دوسروں کو اس کی حفاظت کی تلقین کریں، بلا ضرورت اسے ضائع نہ کریں، صاف پانی کو گندا نہ کریں، اس میں پیشاب پاخانہ، گندگی اور غلاظت نہ ڈالیں، پانی کے برتن کو بند کرکے اور ڈھانپ کر رکھیں تاکہ اس میں کسی قسم کی کوئی مضر اور نقصان دہ چیز نہ پڑ جائے، پانی کے برتن میں سانس نہ لیں تاکہ سانس کے ذریعے جراثیم پانی کے برتن میں منتقل نہ ہوجائے، جس سے بچا ہوا پانی گندہ ہوسکتا

ہے، اور اگر کوئی اسے استعمال کرے تو مختلف بیماریاں بھی پیدا ہوسکتی ہیں۔

عصرِ حاضر میں پانی کی کمی دنیا بھر میں ایک بڑا مسئلہ بن چکا ہے۔ بہت سے علاقوں میں سوکھا پڑ جاتا ہے، جو زراعت، صنعت اور انسانوں کی ضروریات کو متاثر کرتا ہے۔ پانی ایسا سرمایہ ہے جو قیمت سے بالاتر ہے۔ اس کی قیمت کا اندازہ ان لوگوں سے معلوم کیجئے جن علاقوں میں پانی کی قلت ہے یا پانی نہیں، ان علاقوں میں ایک سے ایک قیمتی اشیاء ہیں مگر نہیں ہے تو پانی نہیں ہے اور اس کو مہیا کرنے کے لئے حکومت سے لے کر عوام الناس سبھی لوگ پریشان رہتے ہیں، لہٰذا ہم پر واجب ہے کہ ہم اس عظیم اور بیش بہا نعمت کی قدر کریں، اس کو ضائع نہ کریں، پانی کا استعمال صرف حسب ضرورت کریں، فضول خرچی اور اسراف سے بچیں، برش کرنے کے دوران نل کو بند رکھیں، وضو، غسل اور طہارت میں پانی کے استعمال میں احتیاط برتیں، پانی کی بچت کرنے والے آلات کا استعمال کریں، بارش کے پانی کو ذخیرہ کریں، چاول، سبزی، دال وغیرہ کی دھلائی میں استعمال شدہ پانی کو گھر کے پیڑ پودوں، پھول پتیوں کی آبپاشی کے استعمال میں لائیں۔

اللہ رب العالمین ہمیں کتاب وسنت کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے اور پانی اور دیگر نعمتوں کی حفاظت کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین یارب العالمین۔

☆☆☆

حدیث المُوتان (قیامت کی چھ نشانیوں والی روایت)

تحریر ودراسۃ: عبدالعلیم بن عبدالحفیظ سلفی (سعودی عرب)

(چھٹی قسط)

(بقیہ تخریج حدیث الموتان)

دوسری نشانی: (بیت المقدس کی فتح):

ارض شام میں واقع مسجد اقصی تاریخ میں مختلف احوال وتغیرات سے گزری ہے، اس پر کنعانیوں سے لیکر فارسیوں مغلوں، رومیوں اور یہودیوں تک نے حملہ کیا ہے، اس کے ذریعہ اللہ رب العزت نے ہمیشہ اہل حق کو ممتاز رکھا ہے، کیونکہ اسے اس نے خود ارض مقدس قرار دیا ہے یہ وہ گھر ہے جو صرف اور صرف اللہ رب العزت کی عبادت کے لئے بنائی گئی تھی۔ یہ گھر اور اس کے آس پاس ہونے والے واقعات تاریخ کے عظیم واقعات تو ہیں ہی ان میں سے بہت سارے قیامت کی علامات اور نشانیوں کے طور پر واقع ہوئے ہیں اور مزید ہوں گے، جن میں سے ایک بیت المقدس کی فتح ہے۔

ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے اپنی فوج کے ساتھ قدس کا محاصرہ کرلیا جس کا نام ایلیاء تھا تو وہاں کے باشندے وہاں کے قلعہ میں پناہ گزیں ہوگئے اور چونکہ اس کی دیواریں کافی مضبوط تھیں اس لئے اسے فتح کرنا مشکل رہا، سوفرونیئس (Sophronius) اس وقت یروشلم کا بشپ تھا اس نے تقریباً چار مہینوں کے حصار سے عاجز آ کر اس شرط پر بلاقتال صلح کا پیغام بھیجا کہ خلیفۃ المسلمین خود تشریف لائیں، چنانچہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے وہاں جا کر ان کے ساتھ صلح کی، عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے سنہ 16 ھ اور بعض روایتوں کے مطابق سنہ 15 ھ میں یروشلم کا سفر کیا، اور پھر بیت المقدس کی فتح ہوئی۔ فتح کے بعد انہیں امن وامان دیا اور مسجد اقصی کی چابی قبول کیا۔ اور اہل ایلیاء کے لئے ایک عہد نامہ لکھ کر دیا جو تاریخ کی کتابوں میں "عمری عہد نامہ" کے نام سے معروف ہے، جس پر خالد بن ولید؛ عمرو بن ابی العاص؛ عبدالرحمٰن بن العوف، اور معاویہ بن ابی سفیان (رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین) نے بطور گواہ دستخط کئے، اس عہد نامہ کا خلاصہ کچھ یوں تھا کہ: ان لوگوں کی جان ومال اور عبادتگاہوں کی حفاظت کی جائیگی، ان پر کسی بھی طرح کا حملہ نہیں کیا جائیگا، انہیں ان کے مذہب کو تبدیل کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، اور وہاں کوئی یہودی ان کے ساتھ نہیں رہے گا۔ اور اہل قدس مسلمانوں کو جزیہ دیں گے اور جو ان میں سے وہاں رہنا چاہے وہ سکتا ہے اور جو جانا چاہے جاسکتا ہے۔ (دیکھئے: الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح لابن تیمة: 6/86، تاریخ الطبری و الأنس الجلیل بتاریخ القدس والخلیل أبو الیمن القاضی مجیر الدین

الحنبلی (ت 928 ھ) اور تاریخ کی دیگر کتابیں)۔

ان دنوں یہ ایک بلند، خالی اور مسطح جگہ تھی جس کے قلب میں ایک مضبوط چٹان تھی پھر خلیفہ عمر بن الخطاب نے مسجد اقصیٰ میں مرکزی مصلی کی تعمیر کا حکم دیا، جس میں تقریباً 1000 افراد کے بیٹھنے کی گنجائش تھی، اور یہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے دور تک اسی طرح قائم رہی۔

زمانہ قدیم میں مسجد کا اطلاق پورے صحن پر ہوتا تھا اور اس کی تائید امام ابن تیمیہ کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے کہ: مسجد اقصی اس ساری مسجد کا نام ہے جسے سلیمان علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا اور بعض لوگ اس مصلی یعنی نماز پڑھنے کی جگہ کو جسے عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی اگلی جانب تعمیر کیا تھا اقصی کا نام دینے لگے ہیں۔

بیت المقدس سے متعلق چند اہم معلومات:

مسجد اقصی کے کئی نام ہیں، جیسے: المسجد الاقصی، بیت اللہ، مسجد ایلیاء، بیت المقدس، البیت المقدس، القدس الشریف، اور قبلۂ اول۔ عرب اسلام سے قبل مسجد ایلیاء کے نام سے متعارف تھے۔ کچھ مقامی لوگ اسے (الحرم القدسی الشریف) بھی کہتے ہیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بیت المقدس یا مسجد ایلیاء سے تعبیر کیا ہے، اور چونکہ قرآن کریم کی آیات کے مطابق یہ مسجد مقدس سرزمین میں واقع ہے اس لئے اسے بیت المقدس یا البیت المُقدَّس کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالی نے سورہ اسراء کے اندر المسجد الاقصی (دور کی مسجد) سے تعبیر کیا ہے، اس کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ اقصی کا معنی دور دراز کا ہوتا ہے، اور چونکہ یہ مسجد مسجد حرام (مکہ مکرمہ) سے بہت دور ہے اس لئے اس کا نام مسجد اقصی پڑا، حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: اس کے اور کعبہ کے درمیان دور کی مسافت کی وجہ سے اسے اقصی کہا جاتا ہے، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اس کے بعد کوئی عبادت کی جگہ نہیں تھی اور ایک قول یہ بھی ہے گندگیوں اور خبائث سے بعید (پاک) ہونے کی وجہ سے اسے اقصی کہا جاتا ہے کیونکہ مقدس کا معنی گندگیوں سے پاک ہونا ہے۔ (فتح الباری: 6/408)۔ اس کا ایک نام صہیون اور اسی طرح یروشالایم یا اُورشالیم اور ایلیاء کیپٹیلونا بھی رہا ہے۔ (القدس کی تاریخ اور ناموں کے سلسلے میں مزید معلومات کے لئے: القدس ومعارکنا الکبری، محمد صبیح، منشورات، القدس عربیة إسلامیة، سید فرج، أورشلیم القدس فی الفکر الدینی الإسرائیلی للدکتور محمد جلاء إدریس اور فلسطین بالخرائط والوثائق کا مطالعہ کافی مفید ہے)۔

قرآن مجید کے اندر اللہ رب العزت نے کئی مقامات پر اس کا تذکرہ کیا ہے جیسے سورہ اسراء میں بصراحت اور سورہ مائدہ/ 21 اور سورہ انبیاء/ 71 کے اندر مقدس سرزمین کے نام سے۔

مسجد اقصی کی تعمیر خانہ کعبہ کی تعمیر کے چالیس سال بعد کی گئی، صحیحین کی روایت میں ہے ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: یا رسول اللہ! سب سے پہلے کون سی مسجد بنائی گئی تھی؟ فرمایا کہ: "مسجد حرام"۔ میں نے سوال کیا، اس کے بعد کون سی؟ فرمایا کہ: "مسجد اقصیٰ"۔ میں نے

سوال کیا: اوران دونوں کی تعمیر کا درمیانی فاصلہ کتنا تھا؟ فرمایا کہ: "چالیس سال"۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "جس جگہ بھی نماز کا وقت ہو جائے فوراً نماز پڑھ لو۔ تمہارے لیے تمام روئے زمین مسجد ہے"۔ (صحیح بخاری/ 3366، 3425، صحیح مسلم/ 520)

ایک اشکال:

کعبہ اور بیت المقدس کی بناء کے درمیان چالیس سال کے عرصہ کے فاصلہ کے سلسلے میں امام ابن الجوزی نے ایک اشکال کا ذکر کیا ہے اور پھر اس کا جواب دیا ہے فرماتے ہیں: "اس کے اندر ایک اشکال ہے کیونکہ کعبہ کو ابراہیم علیہ السلام نے اور بیت المقدس کو سلیمان علیہ السلام نے تعمیر کیا ہے اور دونوں کے درمیان ہزار سال کی مدت کا فرق ہے، اس سلسلے میں ان کا استدلال نسائی اور ابن ماجہ کی روایت سے ہے: عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب سلیمان بن داود علیہما السلام بیت المقدس کی تعمیر سے فارغ ہوئے، تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے تین چیزیں مانگیں، ایک تو یہ کہ میں مقدمات میں جو فیصلہ کروں، وہ تیرے فیصلے کے مطابق ہو، دوسرے مجھ کو ایسی حکومت دے کہ میرے بعد پھر ویسی حکومت کسی کو نہ ملے، تیسرے یہ کہ جو کوئی اس مسجد میں صرف نماز ہی کے ارادے سے آئے وہ اپنے گناہوں سے ایسا پاک ہو جائے جیسے اس دن تھا جس دن اس کی ماں نے اس کو جنا تھا"، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "دو باتیں تو اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کو عطا فرمائیں، مجھے امید ہے کہ تیسری چیز بھی انہیں عطا کی گئی ہوگی"۔ (سنن النسائی/ 694، سنن ابن ماجۃ/ 1408، مسند احمد: 2/176، علامہ البانی نے اسے صحیح کہا ہے)۔ اور دوسری دلیل طبرانی کے اندر رافع بن عمیرہ کی روایت ہے جس کے اندر ہے کہ: "داود علیہ السلام نے بیت المقدس کے بناء کی ابتداء کی، جس کی تکمیل اللہ کے حکم سے سلیمان علیہ السلام کے ہاتھوں ہوئی"۔ (دیکھئے: المعجم الکبیر/ 4477، اس روایت کو امام ابن الجوزی، امام ذہبی اور امام ہیثمی نے موضوع و من گھڑت کہا ہے۔ (دیکھئے: الموضوعات: 1/200-201، میزان الاعتدال: 3/487 اور مجمع الزوائد: 4/8)۔

امام ابن الجوزی نے اس کا جواب دیا ہے کہ: نہ ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ اور نہ ہی سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس کی بنیاد رکھی تھی، بلکہ ہمیں یہ روایتیں ملتی ہیں کہ کعبہ کو سب سے پہلے آدم علیہ السلام نے تعمیر کی تھی پھر ان کی اولاد روئے زمین میں پھیل گئی، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان میں سے کسی نے بیت المقدس کی بنیاد رکھی ہو پھر نص قرآن کے مطابق ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی تعمیر کی ہو۔ اسی طرح امام قرطبی کے مطابق یہ روایت اس بات پر دلیل نہیں ہے کہ ابراہیم اور سلیمان علیہما السلام نے ان مساجد کی ابتدائی تعمیر کی ہے بلکہ انہوں نے تو ان کی تجدید کی ہے۔ (دیکھئے: فتح الباری: 409-408 مختصرا)۔

بیت المقدس کی اہمیت اوراس کی بعض فضیلتیں:

بیت المقدس کی فضیلت اور اس کی اہمیت سے متعلق گفتگو کی جائے تو طویل ترین کتاب تیار ہو جائیگی، سردست موضوع کی مناسبت سے اس سے متعلق چند اہم باتیں مختصرا قارئین کی نظر کرنا مناسب ہے:

- یہ ان تین مساجد میں شامل ہے جہاں عبادت کی غرض سے رخت سفر باندھنا جائز ہے، ان کے علاوہ کسی اور مسجد کے لئے جائز نہیں ہے۔(صحیح البخاری/1864)۔

- مسجد اقصی مسجد، حرام مکہ اور مسجد نبوی مدینہ منورہ کے بعد تیسری سب سے مقدس مسجد ہے جو مسلمانوں کا قبلۂ اول رہی ہے، کیونکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تحویل قبلہ سے قبل سولہ یا سترہ مہینوں تک بیت المقدس کو قبلہ بنا کر نماز ادا کی، جیسا کہ براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے۔(دیکھئے: صحیح البخاری/41، صحیح مسلم/525)۔

- اسراء ومعراج کی رات اسی مقام سے جبریل علیہ السلام اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمان پر لے گئے۔ (صحیح مسلم/162) اسی کے بارے میں اللہ تعالی فرماتا ہے: سُبْحَانَ الَّذِی أَسْرَی بِعَبْدِهِ لَيْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الأَقْصَى الَّذِی بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ (الاسراء/1)۔ (پاک ہے وہ اللہ تعالیٰ جو اپنے بندے کو رات ہی رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا جس کے آس پاس ہم نے برکت دے رکھی ہے، تاکہ ہم اسے اپنی قدرت کے بعض نمونے دکھائیں، یقیناً اللہ تعالیٰ ہی خوب سننے دیکھنے والا ہے)۔

- جیسا کہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی روایت میں مذکور ہوا کہ جب سلیمان علیہ السلام بیت المقدس کی تعمیر سے فارغ ہوئے، تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے تین چیزیں مانگی تھی جن میں سے ایک یہ ہے کہ: "جو کوئی اس مسجد میں صرف نماز ہی کے ارادے سے آئے وہ اپنے گناہوں سے ایسا پاک ہو جائے جیسے اس دن تھا جس دن اس کی ماں نے اس کو جنا تھا"۔

- اس سرزمین کو اللہ تعالی نے قرآن مجید کے اندر مبارک سرزمین کہا ہے، سورہ اسراء کی پہلی آیت میں اسراء کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے: (الَّذِی بَارَكْنَا حَوْلَهُ)۔ (مسجد اقصی جس کے اردگرد ہم نے برکت دے رکھی ہے)۔(الاسراء/1)۔

- اس سرزمین کی ایک صفت اللہ تعالی نے مقدس رکھا ہے، موسی علیہ السلام کے واقعہ میں ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ موسی نے اپنی قوم سے کہا: (يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِیْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ)۔(اے میری قوم والو! اس مقدس زمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے نام لکھ دی ہے)۔(المائدۃ/21)۔

- اسی مسجد میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء کرام کی امامت کی تھی۔(دیکھئے: صحیح مسلم/172)۔

- مسجد اقصی کے اردگرد بے شمار انبیاء وصلحاء مدفون ہیں اور القدس شہر میں تو صحابہ وتابعین کی ایک معتد بہ تعداد مدفون ہے جن میں عبادہ بن صامت اور شداد بن اوس رضی اللہ عنہما کی قبریں بھی ہیں۔

- اسی مسجد میں اللہ تعالی نے زکریا علیہ السلام کو یحیی علیہ السلام کی بشارت دی تھی۔

- یہیں پر عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی، آپ پر من وسلوی کا نزول ہوا، یہیں سے آپ کو اللہ تعالی نے آسمان پر اٹھایا اور یہی پر نازل فرمائیگا۔

- عیسیٰ علیہ السلام دجال کو یہیں باب لد پر جو بیت المقدس سے قریب ہے قتل کریں گے۔ (دیکھئے: صحیح مسلم/ 2937)۔

- یہیں پر اللہ تعالی یاجوج وماجوج کو ہلاک کریگا۔ (دیکھئے: صحیح مسلم/ 2937)۔

-ابوذرغفاری رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ قیامت سے قبل یہیں پر محشر بپا ہوگا۔(دیکھئے: صحیح الترغیب / 1179، نیز دیکھئے: فضائل الشام ودمشق تحقیق الالبانی / 13)۔

- مسند احمد کی ایک صحیح روایت کے مطابق دجال جن چار مقامات پر نہیں جاسکے گا ان میں سے ایک مسجد اقصی ہے اور باقی تین مکہ، مدینہ اور طور ہیں۔(دیکھئے: مسند احمد/ 23683 و 23685، ہیثمی کہتے ہیں: " رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَرِجَالُهُ رِجَالُ الصَّحِيحِ" مجمع الزوائد:/3437)۔

مسجد اقصی اور مذاہب ثلاثہ:

مدینۃ القدس تینوں بنیادی ابراہیمی مذاہب میں متبرک اور مقدس رہا ہے، اس سرزمین کو یہود بھی مقدس مانتے ہیں اور ہیکل سلیمانی کی طرف نسبت کے اعتبار سے اسے جبل الھیکل سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہود کے مطابق سنہ 1000 قبل مسیح میں جب داود علیہ السلام نے اس کو فتح کر کے متحدہ اسرائیل کا دارالحکومت بنایا تو یہ دنیا کا سب سے مقدس سرزمین ہوگیا، پھر ان کے بعد ان کے بیٹے سلیمان علیہ السلام نے اس کے اندر پہلا ہیکل تعمیر کیا۔ دیوار گریہ جسے مغربی دیوار بھی کہا جاتا ہے قدیم شہر یروشلم میں واقع یہودیوں کی اہم مذہبی یادگار ہے جو یہودی مذہب کے مطابق مقدس معبد کی باقیات میں سے ہے۔ یہودی روایات کے مطابق دیوارِ گریہ کی تعمیر داؤد (علیہ السلام) نے کی تھی اور موجودہ دیوارِ گریہ اُسی دیوار کی بنیادوں پر قائم کی گئی ہے، جس کی تاریخ ہیکلِ سلیمانی سے جاملتی ہے۔ یہودیوں کے بقول 70ء کی تباہی سے ہیکل سلیمانی کی ایک دیوار کا کچھ حصہ بچا ہوا ہے جہاں دو ہزار سال سے یہودی زائرین آ کر رویا کرتے تھے اسی لیے اسے "دیوار گریہ" کہا جاتا ہے۔

اور عیسائیوں کے نزدیک ان کے زعم کے مطابق اس وقت مقدس بن گیا جب وہاں کی جلجثہ نامی پہاڑی پر تقریبا سنہ 30 عیسوی میں عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر لٹکایا گیا، اسی طرح تقریبا تین سو سال بعد جب سلطنت رومن (بازنطینی) کی ملکہ قدیسہ ہیلانہ (سینٹ ہیلینا/ 330-250) جوشہنشاہ قسطنطین کی ماں تھی کو داخل شہر وہ صلیب ملی جس پر ان کے بزعم عیسیٰ علیہ السلام کو لٹکایا گیا تھا پھر ان کینز دیک اس کا اہتمام اور بڑھ گیا۔

اور جہاں تک مسلمانوں کے نزدیک اس کی اہمیت اور مقام ومرتبہ کی بات ہے تو اس کی کئی وجوہات ہیں، جیسے: اس کی بنیاد صرف اور صرف ایک اللہ کی عبادت کے لئے رکھی گئی، اس کی بنیاد سب سے پہلے آدم علیہ السلام نے رکھی اور پھر اس کے بعد وہ کئی انبیاء کرام علیہم السلام کا مسکن اور ان کی عبادت گاہ رہی اور انہوں نے اس کی تعمیر وحفاظت کے لئے بڑی کوششیں کیں، وہ مسجد ایسی سرزمین میں ہے جسے اللہ تعالی نے مبارک قرار دیا بلکہ اس کے اردگرد کے علاقوں کو بھی برکت والا قرار دیا ہے۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ

کے بعد مقدس ترین مقام ہے۔ وہیں سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کرائی گئی تھی۔ وہیں آپ نے انبیاء کرام کی امامت کرائی تھی۔ یہود جس دیوار کو مقدس مانتے ہیں مسلمان اس کو دیوارِ براق کہتے ہیں، کہتے ہیں کہ اسراء ومعراج کی رات میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری براق یہیں آ کر رکی تھی اور اسے وہیں پر باندھا گیا تھا۔ اموی عہد میں مسجد کے جنوب مغربی حصے میں جامع البراق کی تعمیر کی گئی پھر مملوکی دور میں اس کی دوبارہ تعمیر ہوئی۔ کعبہ سے پہلے وہیں قبلہ رہا ہے۔ اس کی فتح کی بشارت احادیث نبویہ میں دی گئی ہے، وہیں سے مہدی کا ظہور ہوگا اور وہیں عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا جو دجال کو قتل کر کے عدل وانصاف کا بول بالا کریں گے۔ احادیث نبوی کے اندر اسے قیامت کی کئی ایک نشانیوں کا مرکز قرار دیا گیا ہے۔ مسلمانوں نے دشمنوں سے اس کی بازیابی کے لئے صدیوں تک بے شمار قربانیاں پیش کی ہیں اور آج بھی کر رہے ہیں۔ (دیکھئے: ویکی پیڈیا آزاد دائرۃ المعارف)۔

مختصر تاریخ بیت المقدس:

القدس کی ایک لمبی تاریخ رہی ہے۔ کہتے ہیں کہ آباد شہروں میں دنیا کی قدیم ترین شہر میں اس کا شمار ہوتا ہے، بلکہ یہاں پر انسانی آبادی کی شروعات تقریبا چار ہزار یا پانچ ہزار سال قبل مسیح ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ اس شہر نے بہت سارے حملے، قبضے، جنگ، محاصرے اور ڈھیروں سرد وگرم دیکھے ہیں اور یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے اور قیامت تک رہیگا۔

اس شہر نے جن زمانوں کا دیدار کیا ہے تاریخی مصادر کے مطابق ان میں مشہور یبوسی (کنعانی) عہد، فرعونی (مصری) عہد، بابلی عہد، فارسی عہد، یونانی عہد، رومی یا رومانی عہد، اسلامی عہد اور موجودہ اسرائیلی تسلط۔

بیت المقدس میں جزیرہ عرب سے آ کر سب سے پہلے سکونت اختیار کرنے والے عربی قبائل میں سے ایک قبیلہ کنعانی تھا، جو تقریبا چار ہزار قبل مسیح آ کر یہاں آباد ہوا۔ کہتے ہیں کہ کنعانیوں کی وجہ تسمیہ بھی ارض فلسطین ہے جس کا معنی نچلی سرزمین یا ترائی علاقہ کا ہوتا ہے اور فلسطین کا محل وقوع بھی ویسا ہی ہے، کنعانیوں نے یہاں کئی ایک شہر بسائے، جیسے: عکا، غزہ اور اسدود وغیرہ، ان کنعانیوں میں سے یبوسیوں (Jebusite) نے القدس نامی شہر بسایا، انہیں کے نام پر اس شہر کا نام یبوس بھی پڑا جو بعد میں یروشلم میں بدل گیا۔ (دیکھئے: فلسطین بالخرائط والوثائق)۔ قدس کا نام شروع میں شالیم رکھا گیا جو کنعانیوں کے نزدیک سلامتی کے الہ کا نام تھا پھر اس کا نام تبدیل ہو کر یروشلم ہو گیا۔

کنعانی یہاں پر لمبی مدت تک رہے یہاں تک کہ داود علیہ السلام کی قیادت میں بنو اسرائیل اس پر قابض ہو گئے۔ داؤد علیہ السلام نے اسے سنہ 1003 قبل مسیح میں فتح کیا، جبکہ کچھ دیگر ذرائع کے مطابق یہ واقعہ سنہ 869 قبل مسیح کا ہے۔ (دیکھئے: ویکیپیڈیا الموسوعۃ الحرۃ)۔

پہلی صدی قبل مسیح تک یہاں رومن حکمرانی رہی اور انہیں کے زمانہ میں عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی اور عیسائیت جگہ جگہ پھیلنے لگی اور ایک وقت آیا جب رومی

حکمرانوں نے اس مذہب کو قبول کرلیا اور چوتھی صدی عیسوی میں اسے حکومتی مذہب قرار دیا، اور بعد میں مسیحیوں نے اس خطے کا نام "الارض المقدسۃ" رکھ دیا۔ تاریخی مصادر کے مطابق بنواسرائیل عربوں کے وہاں آنے کے دو ہزار سال بعد آئے، اس طرح دیکھا جائے تو اس خطے کے اصل مالک عرب ہیں۔ پھر تقریبا سنہ 70 عیسوی میں رومیوں نے ان کو وہاں سے بے دخل کر کے ہیکل کو ختم کر دیا اور یروشلم کا نام تبدیل کر کے ایلیا کیپٹو لینا (Capitolina Aelia) رکھ دیا۔ ایک بات یہ بھی مشہور ہے پہلی صدی قبل میلاد وہاں پر رومیوں کی حکومت قائم ہو چکی تھی۔

جیسا کہ پہلے مذکور ہوا کہ القدس کے پہلے ساکنین یبوسی تھے جو کنعانیوں کا ایک قبیلہ تھا اور وہ عرب تھے جو تقریبا 2500 ق م یہاں آباد ہوئے۔ تاریخ میں ایسے ادوار بھی آئے جن میں ان کے علاوہ کئی ایک قوموں نے اس پر قبضہ کیا اور ان میں کچھ لمبی مدت تک حکومت کرتے رہے جن میں ایک فرعونی دور رہا جو چودھویں تا سولہویں قبل مسیح میں رہا، اس درمیان خابیرو نامی ایک بدوی قبیلہ کے ماتحت بھی رہا پھر دوبارہ مصریوں کا قبضہ ہوا جو 1301 سے 1317 ق م کے درمیان رہا۔ تقریبا 1000 ق م داود علیہ السلام نے یہودی قبائل کو متحد کیا اور عرب کو ہزیمت دے کر اپنی مملکت کو وسیع کیا اور یروشلم (القدس) کے قلعہ کو فتح کر لیا، پھر اس شہر کا نام شہر داود سے جانا جانے لگا جسے دارالحکومت بنالیا گیا۔ داود علیہ السلام کے بعد ان کے لڑکے سلیمان علیہ السلام کی حکومت ہوئی اور ان کا دور تعمیر و ترقی کے اعتبار سے نہایت ہی ترقی یافتہ دور رہا، سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں ہی ہیکل سلیمانی کی تعمیر کی گئی۔ یہاں یہ بھی اشارہ کر دینا مناسب ہے کہ داود علیہ السلام کی حکومت کے بعد بھی وہاں کی تعمیر و ترقی میں یبوسی عربوں کا عمل دخل رہا، خود داود علیہ السلام کی بیوی تشبع یبوسی قبیلہ سے تھیں اور انہیں کے بطن سے سلیمان علیہ السلام پیدا ہوئے۔ داود اور سلیمان علیہما السلام کی حکومت سنہ 1000 سے 970 ق م تک رہی جو متحد رہی پھر سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد سلطنت دو حصوں میں منقسم ہوگئی او رایک دوسرے سے برسر پیکار رہی۔ (دیکھئے: من ملامح من تاریخ القدس ص 17 مختصرا)۔ سلیمان علیہ السلام کے دور کی ترقی اور ان کی حکومت کا مختصر لیکن نہایت ہی جامع خاکہ اللہ رب العزت نے قرآن مجید کے اندر کھینچا ہے خاص طور سے سورۃ سبأ، سورۃ نمل اور سورۃ ص وغیرہ کے اندر۔

اس کے بعد اس پر بابلیوں کا قبضہ رہا اور پھر بابلیوں سے چھین کر فارسیوں نے یہاں حکومت کی۔ پھر اس پر 333 ق م میں سکندر اعظم کا تسلط ہوا اور اس کے بعد اس کے مقدونی Macedonians اور بطلیموسی Ptolemaic جانشینوں نے اس پر حکومت کی۔ پھر سنہ 63 ق م میں رومی قائد پومپیجی (Pompeji) نے القدس پر قبضہ کیا اور اسے رومی سلطنت کے زیر نگیں کرلیا جو سنہ 636 عیسوی تک رہا، اس دوران بہت سارے واقعات رونما ہوئے جن میں خاص عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت اور نبوت سے ان کی سرفرازی وغیرہ کے واقعات ہیں۔ اسی دوران یہودیوں نے وہاں بہت زیادہ تخریب مچائی جن کا اس وقت کے رومی حاکم نے قلع قمع کیا اور بہت سارے یہودی آبادی اور

بستیوں کو جلا ڈالا اور اس دوران سنہ 115 اور 132 عیسوی میں یہودیوں نے شہر پر قبضہ بھی کیا۔ رومن امپیریر ہیڈریان Hadrian کے زمانہ میں یہودیوں کو وہاں سے جلا وطن کر دیا گیا اور اب صرف مسیحی ہی وہاں باقی رہ گئے، ہیڈریان نے ہی اس کا نام بدل کر ایلیاء رکھ دیا اور یہ حکم صادر کیا کہ یہاں کوئی یہودی نہیں رہیگا۔ سنہ 395 عیسوی میں رومی سلطنت دو متحارب حصوں میں بٹ گئی جس کے نتیجے میں فارسیوں نے القدس پر قبضہ کرلیا جو سنہ 628 عیسوی تک رہا اس کے بعد رومیوں نے پھر اس پر قبضہ کرلیا جو اس پر اسلامی فتح تک رہا۔

اسلامی دور:

فلسطین پر پہلا اسلامی دور 636 عیسوی سے 1072 عیسوی تک رہا جب ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کی قیادت میں اسے فتح کیا گیا اور عمر بن الخطاب نے اس کو اسلامی خلافت میں شامل کرلیا، فتح کے بعد اس کی باگڈور جب مسلمانوں کے ہاتھوں میں آئی تو اہل فلسطین کے لئے چند شرائط متعین کئے گئے جن میں سے ایک یہ تھا کہ ان لوگوں کو جزیہ کے مقابلے میں مکمل مذہبی آزادی حاصل رہیگی اور کوئی یہودی وہاں نہیں رہے گا، اسی وقت اس کا نام ایلیاء سے تبدیل کر کے القدس رکھ دیا گیا پھر یکے بعد دیگرے اس کی خلافت کی باگڈور اموی اور عباسی خلیفہ سنبھالتے رہے اور اس کی تعمیر وترقی کا اہتمام کرتے رہے جن میں قبۃ الصخرۃ کی جو موجودہ شکل ہے اس کی تعمیر بھی عبدالملک بن مروان کے عہد میں ہوئی۔

صلیبیوں کا دوبارہ قبضہ اور پھر مسلمانوں کی واپسی:

فلسطین پر مسلمانوں کی پانچ صدیوں کی خلافت کے بعد فاطمیوں اور سلجوقیوں کی آپسی چپقلس کی وجہ سے سنہ 1099ء میں ایک بار پھر فلسطین صلیبیوں کے ہاتھ میں چلی گئی، جب القدس پر صلیبیوں کا قبضہ ہوا تو انہوں نے تقریبا ستر ہزار مسلمانوں کو شہید کر ڈالا اور مسلمانوں کے ساتھ ساتھ صدیوں سے مسلمانوں کے ساتھ امن پسندانہ زندگی گزارنے والے مشرقی مسیحیوں کا بھی قتل عام کیا اور اسلامی مقدسات کی بے حرمتی کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑا۔ اس طرح اب وہاں ایک لاطینی سلطنت Empire Latin قائم ہوئی جس کا حاکم کیتھولک Catholic ہوتا، انہوں نے وہاں کے آرتھوڈوکس Orthodox مسیحیوں کو اس شرط پر رہنے کی اجازت دی کہ انہیں کیتھولک شعائر کو لازما ماننا پڑیگا۔ (دیکھئے: تاریخ القدس/-9071/ملخصا)۔

صلیبیوں کا دوبارہ قبضہ ہونے کے بعد انہوں نے اس کا نام بدل کر معبد سلیمان رکھ دیا اور اس کا استعمال شاہی محل اور پھر اسطبل کیروپ میں کرنے لگے اور پھر سنہ 1119ء میں وہ فرسان الہیکل Templar (Knights) نامی فوجی تنظیم کے مقر کے طور پر استعمال ہونے لگا، اس دوران مسجد کے اندر توسیع اور بعض تبدیلیاں بھی ہوتی رہیں۔

سنہ 1187ء میں محاصرہ کے بعد سلطان صلاح الدین ایوبی نے دوبارہ صلیبیوں سے اسے فتح کر لیا اس وقت صلیبیوں کا بادشاہ رچرڈ Richard تھا۔ صلاح الدین ایوبی نے قبۃ الصخرہ سے صلیب کو ہٹانے کیساتھ ساتھ وہاں پر بہت ساری اصلاحات بھی کیں، مثلا: مسجد اقصی کو نماز جمعہ کے لئے تیار کرنا، اس کے اندر حمامات اور اسٹور کی جگہوں کو

ختم کرنا اور جدید منبر کو نصب کرنا وغیرہ۔لیکن صلاح الدین ایوبی کی وفات کے بعد صلیبیوں نے دوبارہ قبضہ کرلیا اور گیارہ سالوں تک وہاں پر حکومت کی یہاں تک کے الملک الصالح نجم الدین ایوب نے سنہ 1244ء میں دوبارہ اس پر فتح حاصل کی۔(دیکھئے: تاریخ القدس رص 43 ومابعدہ)۔

مملوکی سلطنت:

سنہ 1243 اور 1244ء میں اس پر مغول بھی حملہ آور ہوئے اور بالآخر مملوکیوں نے سیف الدین قطز اور ظاہر بیبرس کی قیادت میں سنہ 1249 میں عین جالوت کے معرکہ کے بعد انہیں شکست دی اس طرح ایوبی سلطنت کے بعد مملوکی سلطنت کا قبضہ ہوا جنہوں نے سنہ 1517ء تک فلسطین کے ساتھ مصر وشام پر حکومت کی، مملوکیوں کا عہد ایک سنہرا عہد تھا، سیکڑوں مدارس، کتب خانے، شفاخانے، عوامی حمامات، اور مختلف علمی حلقوں کے پھلنے پھولنے کا سہرا انہیں کے سر جاتا ہے۔اس کے علاوہ بھی انہوں نے ترقی کے مختلف ذرائع کو مضبوطی دی۔

سلطنت عثمانیہ کا قبضہ:

سنہ 1516ء مطابق سنہ 922ھ میں مرج دابق کے معرکہ کے بعد شام پر دولۃ عثمانیہ کا قبضہ ہوا تو سلطان سلیم اول نے القدس کو فتح کرنے کیلئے دس ہزار فوج بھیجا چنانچہ امارۃ القدس کا پہلا حاکم اسکندر بن ارنوس بنا، اس کے بعد سلطان سلیم اول نے فتح مصر کیلئے روانہ ہوتے ہوئے وہاں کی زیارت کی اور اس وقت شہر کیا عیان واعوان نے اس کا زبردست استقبال کیا اور مسجد اقصی اور قبۃ الصخرہ کی چابیاں سونپی، اس کے بعد القدس عثمانی سلطنت کا ایک شہر ہوگیا، سلطان سلیمان القانوں نے دوبارہ شہر کی دیواریں تعمیر کیں اور قبۃ الصخرۃ اور جامع قبلی کی ترمیمات کا کام کیا۔

سنہ 1831ء سے سنہ 1840ء کے درمیان ابراہیم پاشا کے حملے کے بعد فلسطین مصری سلطنت کے تابع رہا پھر دوبارہ عثمانی سلطنت کے تحت آ گیا۔

انیسویں صدی میں جبکہ سلطنت عثمانیہ کا آخری زمانہ تھا روس اور یورپ میں یہودیوں کے خلاف نفرت اور مظالم ابھرنے کی وجہ سے اور عیسائیوں کے ظلم سے تنگ آ کر جرمنی اور مشرقی یورپ اور روس سے لاکھوں کی تعداد میں یہودی نقل مکانی کو مجبور ہوئے جن کی بڑی تعداد برطانیہ، امریکہ اور فلسطین میں آ کر آباد ہوئی، اسی دوران صہیونیت (Zionism) کی تحریک نے جنم لیا۔اس تحریک کا مقصد یہودیوں کے لیے اپنا ملک قائم کرنا تھا اور اس کے لیے انھوں نے فلسطین کو چُنا اور یہودیوں نے بڑی تعداد میں فلسطین میں آباد ہونا شروع کر دیا اور یہاں زمینیں خریدنے لگے۔

پہلی جنگ عظیم (1914ء-1918ء) میں سلطنت عثمانیہ نے جرمنی کا ساتھ دیا تھا اور جب جرمنی ہار گیا تو برطانیہ نے سلطنت عثمانیہ کا شیرازہ بکھیر دیا اور مختلف علاقے مختلف یورپی طاقتوں کے قبضے میں آ گئے جن میں فلسطین پر برطانیہ کا قبضہ ہوگیا۔1917 عیسوی میں برطانیہ نے چار صدیوں تک عثمانیوں کی حکمرانی کے بعد اس خطے کو اپنی تحویل میں لے لیا اور اعلان بالفور کے ذریعہ یہودیوں کے لیے ایک قومی ریاست کے قیام کا وعدہ کیا گیا۔(اعلانِ بالفور برطانوی حکومت کی صہیونی یہودیوں سے ایک خفیہ

معاہدے کی توثیق تھی جس کا تعلق پہلی جنگِ عظیم کے بعد سلطنتِ عثمانیہ کے ٹکڑے کرنے سے تھا۔ جو بعد میں ظاہر ہوا)۔ (ویکیپیڈ یا آزاد دائرۃ المعارف۔ مختصرا)۔

اس میں کہا گیا کہ فلسطین میں برطانیہ آزاد یہودی ریاست قائم کرنے میں مدد کرے گا۔ برطانیہ نے ان کو وہاں آباد ہونے اور منظّم کرنے میں مدد دی۔ جب فلسطین کے عرب مسلمانوں میں یہودیوں کے خلاف شدید ردعمل پیدا ہونے لگا اور دونوں کے درمیان میں شدید جھڑپیں ہونے لگیں تو برطانیہ نے فلسطین سے جانے کا فیصلہ کیا اور اقوام متحدہ سے اس علاقہ کے مستقبل کے بارے میں فیصلہ کرنے کو کہا۔

اقوام متحدہ نے 1947 عیسوی میں فیصلہ دیا کہ فلسطین کو دو ریاستوں میں تقسیم کر دیا جائے : مغربی علاقہ جہاں یہودیوں کی اکثریت آباد تھی وہاں یہودی اسرائیل کی ریاست قائم کریں اور مشرقی علاقہ میں فلسطینی عرب مسلمانوں کی ریاست قائم ہوجائے۔ جبکہ بیت المقدس اقوام متحدہ کے کنٹرول میں رہے۔ یہودیوں نے اس فارمولے کو قبول کرلیا جبکہ فلسطینی مسلمانوں اور عرب ممالک نے اپنے درمیان میں ایک یہودی ریاست کے قیام کو یکسر مسترد کر دیا۔ برطانیہ نے اس علاقے سے 1948ء میں اپنی افواج واپس بلالیں اور 14 مئی 1948ء کو اسرائیل کی آزاد حکومت کے قیام کا اعلان کر دیا گیا۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اس کے ساتھ ہی فلسطینی ریاست بھی قائم کر دی جاتی لیکن ایسا نہ ہوا۔ عربوں نے تقسیم کو نامنظور کر دیا اور مصر، اردن، شام، لبنان، عراق اور سعودی عرب نے نئی اسرائیلی ریاست پر حملہ کر دیا، تاہم وہ اسے ختم کرنے میں ناکام رہے۔ بلکہ اس حملے کی وجہ سے یہودی ریاست کے رقبے میں اور اضافہ ہوگیا۔

یہودیوں نے اسرائیل کے قیام کا اعلان کیا تو اسرائیل اور عرب ممالک کے درمیان جنگیں چھڑ گئیں۔ یہ جنگیں 1967ء تک چلیں۔ جنگ کی شروعات میں اسرائیل نے مغربی بیت المقدس پر قبضہ کرلیا اور فلسطین کے کچھ اور علاقے بھی اپنے قبضے میں لے لیے۔ بقیہ فلسطین کے مختلف علاقوں پر مصر، شام، لبنان اور اردن کا قبضہ ہوگیا۔ بیت المقدس کا مشرقی علاقہ، جس میں حرم شریف اور مسجد اقصیٰ سمیت مقدس مقامات ہیں اردن کے قبضے میں تھا پھر یہودیوں نے ان پر ناجائز قبضہ کرلیا اور ان لوگوں کا حق مارا جن لوگوں نے ان یہودیوں کو مشکل وقت میں پناہ دی تھی۔ سنہ 2024 عیسوی میں یہودی کھل کر سامنے آ گئے اور کھلم کھلی دہشت گردی کرنے لگے معصوم بچوں اور معصوم عورتوں تک کا سرعام قتل کیا گیا اور انصاف پسند لوگوں کے احتجاج کے باوجود تا حال بے قصوروں پر ان کی بربریت جاری ہے، انہیں جب جب موقع ملتا ہے اپنے مغربی آقاؤں کی پشت پناہی میں مسلمانوں پر ظلم وستم کا پہاڑ ڈھانے لگتا ہے، لیکن وہ وقت دور نہیں جب سب کے سامنے قیامت کی آخری نشانیوں کا ظہور ہوگا اور دشمن اپنے کیفرکردار کو پہنچیں گے۔ و اللہ علی کل شیء قدیر۔

(جاری)

☆☆☆

مولانا عبدالغفور رمضان پوری کا کتب خانہ اور چند خطوط

طلحہ نعمت ندوی

مولانا عبد الغفور رمضان پوری (۱۳۴۸ھ) صوبہ بہار اور مضافات بہار شریف کے بڑے علماء میں تھے، مولانا عبدالحئ فرنگی محلی، مولانا احمد علی سہارنپوری اور مولانا سید نذیر حسین دہلوی (۱) تینوں ممتاز محدثین وقت کی خدمت میں حاضر ہوکر انہوں نے اکتساب فیض کیا تھا، اور تکمیل تعلیم کے بعد وطن ہی میں مطب قائم کر کے مستقل قیام کیا۔ ان کا وطن رمضان پور شیوخ ہند (۲) کی بستی تھی اور علماء پر مشتمل تھی۔ ان ہی کے جوار میں مشہور و ممتاز عالم مولانا رفیع الدین شکرانوی بھی تھے، جن کا وطن شکراواں رمضان پور سے قریب ہی ہے۔ انہوں نے علوم اسلامیہ کا بہت بڑا کتب خانہ قائم کیا تھا اور قلمی نادر کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ حجاز سے خرید کر لائے تھے اور اپنے وطن میں انہیں منظّم کیا تھا، اور ایک پریس بھی لے کر آئے تھے اور کچھ کتابیں شائع کیں تھیں، اسی بستی میں ان سے بہت سے اہل علم حصول تعلیم کے لئے حاضر ہوئے تھے۔ مولانا کے کتب خانہ کا باقی ماندہ حصہ تو کتب خانہ خدا بخش پٹنہ منتقل ہو گیا تھا، اور مولانا ابو سلمہ شفیع احمد بہاری نے کتب خانہ شکراواں کے تعارف میں ایک مضمون لکھ کر تاریخ میں بھی اس کو محفوظ کر دیا، اور یوں بھی یہ کتب خانہ بہت مشہور تھا۔

لیکن اس سے متصل رمضان پور میں مولانا عبدالغفور رمضان پوری نے جو نادر ذخیرہ جمع کیا تھا افسوس کہ اس کی طرف توجہ نہیں ہوسکی۔ مولانا شکرانوی تو رؤسا میں تھے،

(۱) مولانا سید نذیر حسین سے محمد کا ذکر ہم نے دبستان نذیریہ کے حوالہ سے کیا تھا، لیکن بعد میں اس کے کتاب کے مصنف مولانا تنزیل صدیقی نے متنبہ کیا کہ مولانا میاں صاحب کے شاگرد نہیں ہیں، ان کو مولانا ابوالقاسم سیف بناری کی ایک تحریر سے غلط فہمی ہوئی تھی اس لئے انہوں نے اپنی نئی ضخیم کتاب تذکرہ نذیریہ میں ان کا ذکر شامل نہیں کیا ہے۔ لیکن و مولانا عید اللہ پنجابی کے شاگرد ضرور تھے۔

(۲) ہم نے یہاں شیوخ ہند کا لفظ استعمال کیا ہے، کیوں کہ ہندی النسل شیوخ بھی عام طور پر خود کو شیخ صدیقی کہتے ہیں جس کی وجہ سے نسب کے ذکر میں اختلاط ہو جاتا ہے، میری رائے ہے کہ اصولاً ہندی النسل شیوخ کو اپنے نام کے ساتھ صدیقی نہیں لکھنا چاہئے لیکن یہ سلسلہ پہلے ہی سے چلا آ رہا ہے، اور ان کی تاویل ہے کہ ہم سیدنا ابوبکر صدیق سے شرف انتساب کے لئے یہ لقب اختیار کرتے ہیں، قدیم اہل علم کے یہاں بھی یہ چیز ملتی ہے۔ اس لئے اب صدیقی النسب اور صدیقی الملقب میں فرق و تمیز کی دو ہی صورتیں ہوسکتی ہیں، یا ان کا نسب نامہ محفوظ ہو یا علاقہ کے عربی النسل خانوادے سادات و شیوخ عثمانی و فاروقی و انصاری سے ان کی دو تین پشتوں تک قرابت معلوم ہو، بصورت دیگر ان کو صدیقی النسب لکھنے میں احتیاط کرنا چاہئے۔ مولانا رمضان پوری کا تعلق جس علاقہ اور بستی سے ہے وہاں عام طور پر ہندی شیوخ ہی آباد ہیں، ان کے پڑوس کے مشہور عالم اور ان کے معاصر مولانا رفیع الدین شکرانوی کو بہت سے لوگوں نے صدیقی لکھا ہے لیکن راقم کے خیال میں وہ بھی صدیقی اللقب ہیں صدیقی النسب نہیں کیوں کہ اس پوری پٹی میں جو بستیاں آباد ہیں وہاں کے خاندان علاقہ میں معروف ہیں۔

شاید مولانا رمضان پوری بھی صاحب حیثیت تھے، اسی لئے انہوں نے اپنے یہاں یہ نادر ذخیرہ جمع کیا۔ ان کے صاحبزادے مولوی مبین رمضان پور سے متصل بستی کوننڈ (ہردو تحصیل استھاواں ضلع نالندہ مضافات بہار شریف) منتقل ہو گئے تھے، اور اپنے والد کا پورا ذخیرہ اپنے ساتھ لے آئے تھے۔ چار پشتوں سے یہ ذخیرہ بہت حد تک ان کے گھر میں محفوظ چلا آ رہا ہے، لیکن اب بہت کم حصہ محفوظ ہے۔ ان کے ایک عزیز نے بتایا کہ ان کا کتب خانہ اب تک محفوظ ہے تو مجھے حیرت بھی ہوئی اور دیکھنے کا شوق بھی، چنانچہ ایک بار سرسری دیکھنے کا اتفاق ہوا، پھر قرب وطن کے باوجود دو سالوں میں جانے کا موقع نہیں مل سکا، اس مرتبہ ان کے وارثین سے وقت لے کر پھر حاضر ہوا تو معلوم ہوا کہ یہ تو بہت نادر ذخیرہ تھا۔ گرچہ اس میں مخطوطات کا حصہ نہ کے برابر ہے یعنی دو چار لیکن مصر کی مطبوعہ عربی کتابوں کا تو بہت اہم ذخیرہ تھا، جس میں تفسیر، حدیث، طب، ادب کی نادر کتابیں ہیں، جواب یقیناً نایاب ہیں، اور اس دور میں ایک چھوٹی سی آبادی میں مصری مطبوعات کا اتنا بڑا ذخیرہ اپنے آپ میں کچھ کم تعجب کی بات نہیں۔ اور یہ کتب خانہ اس لائق ہے کہ شکراواں کے نادر کتب خانہ کے ساتھ اس کا ذکر آئے۔ افسوس کہ اب ان کتابوں کا ایک حصہ دیمک زدہ ہو کر تقریباً ختم ہو چکا ہے، لیکن ایک بڑا حصہ اب بھی محفوظ ہے۔ مصری مطبوعات کے علاوہ ہندوستان کے نادر رسائل و کتب کا بھی بڑا نادر ذخیرہ نظر آیا ہے لیکن ان میں بھی اب قابل استفادہ چند ہی رسائل ہیں۔ مولانا ایک دیہات میں تھے لیکن علمی دنیا سے ان کا رابطہ مستقل قائم تھا، اور یہیں بیٹھ کر وہ کچھ تدریس کے ساتھ تصنیف و تالیف کی خدمت بھی انجام دیتے تھے چنانچہ علمائے اہل حدیث کے رسائل ومجلّات کا بھی اہم ذخیرہ تھا، علاقہ میں اس دور میں جو چیزیں شائع ہوئی تھیں ان کی بھی بڑی تعداد یہاں محفوظ تھی۔ رسالہ تحفہ محمدیہ جس کے مدیر مولانا محمد احسن استھانوی تھے ان کی بھی کچھ جلدیں یہاں نظر آئیں لیکن نا قابل استفادہ اور کرم خوردہ۔ کاش کہ بروقت ان کے تحفظ کا سامان ہو جاتا تو شاید یہ نوادر محفوظ رہتے اور کسی کے کام آتے، اس وقت بھی وارثین سے پٹنہ کے بہت سے اہل علم نے یہ کتابیں مانگی تھیں لیکن نہیں دی گئیں اور اب بھی وہ اپنے پاس ہی رکھنے کا ارادہ رکھتے ہیں کہ بزرگ خاندان کی یادگار باقی رہے، البتہ اس کو محفوظ کرنے کا عزم ہے، لیکن اگر ایسا ہوا بھی تو اس دور افتادہ بستی میں آنا جو مرکزی سڑک سے کئی کیلومیٹر اندر ہے آسان نہیں ہے، اس لئے اگر کسی مرکزی جگہ یہ کتابیں ہوتیں تو اہل علم کو پہنچنے میں آسانی ہوتی۔

اس کتب خانہ کو دیکھنے کا ایک اہم مقصد مولانا کی تاریخ رمضان پور کی تلاش تھی۔ مجھے اس کتاب کی بہت پہلے سے تلاش تھی محترمی مولانا تنزیل صدیقی (کراچی)، جنہوں نے اپنی کتاب دبستان نذیریہ میں مولانا رمضان پوری کا بڑا مفصل اور تحقیقی تذکرہ قلمبند فرمایا ہے، مشاہیر رمضان پور کے نام سے ایک کتاب کا ذکر کیا ہے، جو بیدل لائبریری کراچی میں محفوظ ہے، انہوں نے فرمایا کہ اس کتاب کا عکس ان کے پاس ہے راقم نے دیکھنے کی خواہش ظاہر کی تو انہوں نے اس کے سارے اوراق بھیج دئے، اس کے سرورق کے علاوہ دوسرا صفحہ بھی غائب تھا، تیسرے صفحہ سے کتاب شروع ہو رہی تھی، اس لئے کتاب کا نام نہیں تھا، لیکن کتاب مطبوعہ تھی راقم کو

خیال آیا کہ شاید یہی مولانا عبدالغفور کی تاریخ رمضان پور ہو گی، لیکن اوراق الٹے تو دیکھا کہ صیغہ غائب میں خود مولانار مضان پوری کا تذکرہ موجود ہے، اوران کے فرزندوں کا ذکر بھی ہے، مولانا کے کمالات بھی ذکر کئے گئے ہیں، اس سے یقین ہوا کہ یہ کتاب مولانا کی نہیں ہے، کسی اور کی ہے، لیکن پھر مولانا کی تاریخ رمضان پور کیا ہوئی، خیال آیا کہ شاید اس کتاب کے مصنف نے بہت سی اہم تاریخ چھوڑ دی ہو گی اس کا استدراک الگ سے مولانا نے لکھا ہوگا، چنانچہ ان کی تاریخ رمضان پور کی تلاش جاری رہی لیکن وہ نہیں مل سکی۔ اس ذخیرہ میں بھی دیکھا تو مولانا کی اور تصانیف تو موجود ہیں تاریخ رمضان پور نہیں ہے۔ اس کے بعد ذہن میں آیا کہ دیکھا جائے کہ کن کن لوگوں نے اس کتاب کا ذکر کیا ہے، دیکھا تو مولانا عبدالغفور رمضان پوری کے حالات ذکر کرنے والوں میں اولین لوگوں نے جن میں ان کے معاصر مولانا سید عبدالحی حسنی صاحب نزہۃ الخواطر بھی ہیں اس کتاب کا ذکر نہیں کیا ہے۔ بعد کے لوگوں میں صرف دولوگوں نے اس کا ذکر کیا ہے، ایک پروفیسر مجیب الرحمٰن نے تاریخ بارہ گاواں کے مآخذ میں، جس میں انہوں نے اس کو سولہ صفحات کی بتایا ہے، لیکن مزید تفصیل ذکر نہیں کی، دوسرے پروفیسر مظفر اقبال نے بہار میں اردو نثر کا ارتقاء میں، وہ بھاگلپور یونیورسٹی میں تھے اور وہیں یہ کتاب کو نندور رمضان پور کے ممتاز فاضل پروفیسر عبدالواسع لکچرار بھاگلپور یونیورسٹی کے یہاں دیکھی تھی، جو ۲۳ صفحات میں تھی اور جواہر پریس بنارس سے شائع ہوئی تھی۔ اور مذکورہ بالا مشاہیر رمضان پور جس کا سرورق نہیں ہے وہ بھی اتنے صفحات پر مشتمل ہے۔ مولانا تنزیل صدیقی نے دبستان نذیریہ میں اس کے حوالہ سے اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔ اب راقم کی رائے ہے کہ مولانا عبدالغفور نے اس نام کی کوئی کتاب نہیں لکھی تھی بلکہ یہی تاریخ رمضان پور ہے جس کے مصنف کا پتہ تو نہیں چل سکا لیکن وہ مولانا کے اہتمام سے بنارس میں شائع ہوئی ہوگی اس لئے اس کے سرورق پر اہتمام میں مولانا کا نام ہوگا جیسا کہ پہلے کی مطبوعہ کتابوں میں ہوتا تھا اور تذکرہ کرنے والوں نے اس کو مولانا ہی کا سمجھ لیا۔

مولانا کی عربی بھی اچھی تھی، انہوں نے ایک دو رسائل عربی میں بھی لکھے ہیں، تحفہ الحاج جو انہوں نے مسائل حج پر اردو میں لکھا ہے، اس کا مقدمہ ایک صفحہ میں عربی میں تحریر فرمایا ہے جس میں سفر کے اجمالی حالات لکھے ہیں، وہ بہت ہی اہم ہے، اوراس سے ان کے عربی اسلوب کا اندازہ ہوتا ہے، وہ ہم یہاں مکمل نقل کرتے ہیں:

فيقول العبد المسكين إني قد سافرت يوم الاثنين لخمس وعشرين قد خلت من شهر رجب المرجب الاصب سنة ثلاث وعشرين وثلاث مائة بعد الألف من الهجرة النبوية على صاحبها افضل الصلاة وازكى التحية فاقصداً بيت الله لاداء فريضة حج الاسلام وكان سفرى من محلى على الوابور البرى إلى مدينة بمبئى وهى بندر مشهور فوصلت إليها ليلة خمس والعشرين كذا) من الشهر المذكور وأقمت فيها أحد عشر يوماً منتظراً وصول الوابور البحرى الذى يحملنا إلى جدة، وفى البحر المالح بقدر الله يسرى، ولكنى من شدة

اشتياقى لرؤية الحرمين ما كنت أحسن بالجوع فى البطن ولا بالنوم فى العينين، وفى يوم الثلاثاء العاشر من شعبان كان الوابور حضر إلى المرسى بالعيان، وأحضرنا نحن وفئة من الحجاج أمام الدكتور فجس نبض الجميع ولمس منهم النحور وغمض الصدور وبعد ذلك أمر بإلقاء أثقالنا وأحمالنا فى الاستيم فألقاها العمال وتبخرت كلها بالبخور الكريهة الوخيم، فلما انتهى ذلك أمرنا الدكتور بالذهاب من طريق البحر إلى محل فى سفح الجبل لنا فيه المقر وهو معد للقرنطينة ما منه المفر للرجل ولا للظعينة فمكثنا فيه خمسة أيام كأسارى المسجونين وهى أول مصيبة نزلت علينا وعلى إخواننا المسلمين والله المستعان على ما عمل الصانعون، والمقدر كائن لا بد أن يكون، وفى الرابع عشر من الشهر الجارى يوم السبت قبيل صلاة المغرب ركبنا الوابور البحرى المسمى بنادرى.

وبالجملة وصلنا فيه بالسلامة إلى جدة ثم سرنا إلى مكة المكرمة لا برحت معظمة ومحترمة، ولقد صرحت هذه فى رسالتى التى ألفت فيها أحوال سفر الحرمين وقاهما الله عن الشين وقد رأيت كثيراً من إخواننا الهنديين الذين يأتون مكة من كل فج عميق لا يعرفون علم المناسك والحج لا على الوجه المأثور بالسنة الصحيحة ولا بالآثار السنية الصريحة فوقع نظرى عند بعض رفقائى فى سفرى على مجلة تسمى بالايضاح محررة بلسان الأردو محتوية على تلك المسائل من كتب الحديث والصحاح لكنها كانت مطولة بغير ترتيب يعسر حفظها على ذهن اللبيب فطلبت من الله تعالى الإعانة بالاختصار والتلخيص وتنظيم عبارتها على أحسن تركيب وترصيص ساعدنى الله بعونه وكلنا له محتاج حتى لخصتها كما أردت بتوفيقه وسميتها بتحفة الحاج وهى ذخيرة رافعة للاحتياج.

اللهم ربنا اجعلها مقبولة عند من إليها يحتاج، والحمد لله أولاً وآخراً والصلاة والسلام على سيدنا محمد وعلى آله وصحبه باطناً وظاهراً.

حسب ذیل عربی عبارت بھی مولانا کی یادگار ہے، جو انہوں نے اپنے استاد مولانا محمد احسن گیلانی کے حاشیہ وجود رابطی شرح سلم از ملا حمد اللہ کی اشاعت پر لکھے تھے، اس سے معلوم ہوگا کہ یہ کتاب انہیں کی تصحیح سے ۱۲۹۴ھ میں شائع ہوئی تھی۔

خاتمة الطبع من المحشى المصحح الأمر للطبع حين إقامته فى اللكنو

الحمد لله الذى باق وجوده وفان ما سواه وعميم جوده إلى كل ما وراه، أحمده أبلغ الحمد وأزكاه وأشهد أن لا إله إلا الله،

والصلاة والسلام على رسول الله محمد المصطفى الذى جعل بعثه إلى الخلق وأثناه وبالهداية إلى سبيل الرشاد هداه، وأرسله إلى الناس وبالنبوة اجتباه وبالرسالة اصطفاه، ومن اقتفى أثره نجاه، وعلى آله وأصحابه الذين هم كانوا متشبثين بمشيئة الله ورضاه، ممتثلين لما أمره عما نهاه.

وبعد فقد وقع الاختلاف فى تفسير ما أفاده المولوى حمد الله رحمه الله وفى جوار غفرانه بواه، ومن تسنيم الجنة سقاه، فى شرحه لتصديقات السلم تحت قول الفاضل البهارى المؤيد بتأييد الله أعنى به مولانا محب الله طاب الله ثراه وجعل الجنة مثواه، ثم القضية إنما تتم الخ فكتب الفاضل المحقق والبحر المدقق محسود الأقران والأماثل والأشباه ومغبوط الأفاضل بلاريب واشتباه كيف لا وقد أنعم الله عليه بجميع نعمائه وقد عطا (؟) ما عناه، وقد فضل الله ومن عليه فلم يترك فضلاً إلا أعطاه أستاذى مولانا الحكيم المولوى محمد أحسن الجيلانوى البهارى أوصله الله إلى ما يتمناه، وإلى مدارج الكمال رقاه، وحصله الله ما يرضاه، وعن الحوادث والعاهات وقاه، هامشاً دفع به الشكوك والاشتباه وأوضح معانيه الخفية بغاية الانتباه، ولما اشتهر فى الآفاق وانتشر فى الأقطار وجرت أوصافه على الألسنة والأفواه وما سمع أوراقه أحد إلا مدحه وأثناه، كيف وإنه حقق بالتحقيق ولطالبه مما حرره أغناه، ولما استفاد من الأستاذ وما أفاده اقتفاه، فصححته وأمرت لطبعه لمن همته مصروفة فى ترويج العلوم حسبة الله وسعيه مشكور فى إعلاء كلمة الله مرضاة لوجه الله شفيقى مولوى فتح محمد المتخلص بالتائب شكر الله مساعيه وأبقاه وأوصله إلى غايته المقصود ومنتهاه، فطبع بعون الله حسب ما طبعه اقتضاه وأحسن طبعه كما قلبه تقاضاه، فبشرى لمن اشتاق إليه وترك متابعة هواه وبالجد والهجد تفحص وابتغاه، وطوبى لمن نظر إليه واشتراه، فتوجه إليه وبعين الإنصاف راه، قد حصل الحظ الكثير من طلبه فرآه وأراه، وانتفع بالنفع الخطير من فهم أنه كاف ولا شىء ما سواه، ومن أخذه استفادة فواشوقاه ومن أعرض عنه عناداً فواحسرتاه وكان ابتداء طبعه فى أواخر شهر ذى القعدة واختتامه فى أوائل شهر ذى الحجة سنة أربع وتسعين بعد الألف والمائتين من هجرة نبى الحرمين صلاة الله عليه كما يحب ويرضاه.

وأنا العبد الكئيب الأواه المبتغى لمرضاة الله محمد عبد الغفور الرمضان فورى البهارى جعل الله أخراه خيراً من أولاه، وعما جرى

عنه عفاه اللهم احفظنی عن شر یوم یسأل فیه عن عمر فی ما أفناه واجنبنی عن شدائد ساعة یستفسر فیها وقت فی ما تلفناه کذا)، وذلك زمان قد اندرس العلم فیه وکثر الجهل فواویلاه وهذا أوان قد انطمست فیها معالم العلماء وصار الجهلاء أمرا فاه ثم أه ثم أه.

اخیر میں اس میں لکھا ہے:

الحمد لله علی احسانه که حاشیه جناب مولانا حکیم سید محمد احسن صاحب گیلانی بهاری مد ظله العالی بر مبحث خاص وجود رابطی شرح سلم تصدیقات حمد الله مع حاشیه مختصر بر بحث شناة بالتکریر صد را تصحیح وحسن سعی مولوی محمد عبد الغفور صاحب رمضان پوری بهاری که از عرصه سالے تشکیل بقیه کتب درسیه علوم عقلیه و نقلیه مقیم محله فرنگی محل من محلات شهر لکهنو بوده مستفید از خدمت بابرکت جناب مولانا الحاج الحافظ المولوی محمد عبد الحی صاحب لکهنوی امد الله فیضه اند، در مطبع انوار محمد واقع محله امین آباد من محلات لکهنو با هتمام خاکسار خادم طلبه فتح محمد متخلص بتائب بتاریخ ۰ ذی حجه هجری مطبوع طبائع جهانیان شد.

مولانا رمضان پوری کے اس ذخیرہ میں چند خطوط بھی ملے جو یہاں نادر سمجھ کر پیش کئے جارہے ہیں۔

(۱)

مرسلہ ۱۹؍شعبان (؟)ھ [۱۹۲۲ مطابق مہر ڈاک]

از پکری برانواں گیا [حال ضلع نوادہ]

مکرم ومحترم زید مجدکم

السلام علیکم وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ

مجلس شوری میں ہماری شرکت بروز جمعہ میں قبیل المحال معلوم ہوتی ہے، اس لئے بذریعہ نصف ملاقات کے ظاہر کرتا ہوں کہ اس وقت امیر شریعت وہی رہیں جو پہلے مقرر ہو چکے ہیں، ان سے اس قضیہ کی کامل تدارک کرالی جائے، ورنہ دو امیر کے ہونے میں آئندہ شر وفساد کا اندیشہ ہے، اور اہل حدیث واحناف میں ہمیشہ سے جھگڑے چلے آتے ہیں، اب مجموعی طور پر ایک کمانڈر انچیف کی ترکیب ہی نہ ہو جائے، پس اگر اہل حدیث نے ان امیر شریعت کو پہلے مان لیا ہے تو انہیں سے اس قضیہ کی چارہ جوئی کرائیں و مفسد کو کامل سزا دلوائیں، کہ کامل عبرت ہو، اور وہی اہل حدیث کا نظام بھی بہ موافقت اہل حدیث کریں، اس حدیث صحیح سے وہ بھی واقف ہوں گے، کہ جو امام رعیت کی نگہبانی خیر خواہی سے نہ کرے، لم یجد رائحۃ الجنۃ، موجودہ حالت جبر واستبداد علی المسلمین والا سلام ہرگز مقتضی اس تفریق کی نہیں، خود؟؟ امیر شریعت سے اس کا تدارک کامل ؟؟؟ مجرم کی سزا ہوا، اہل حدیث معصوم وفرشتہ نہیں، جو وجہ باعث تفریق امامت ہوئی کاش اس میں خدا نہ کرے زیادتی ہماری طرف سے ہو، اور مبلغ پھلواری کو سزا بھی مل جائے تو

معاذ اللہ ہم کہیں کے نہ رہیں گے، فتاملو۔ اہل حدیث میں اب وہ متحمل وصبر نہ رہا جس نے ان کو معراج کمال وحق پر پہنچایا، اب ان کو بھی زمانے کی نظر لگ گئی۔ اگر کوشش ہو تو اس بات کی کہ امیر شریعت صاحب کامل متشرع ہو جاویں، جیسا میں پہلے عرئضہ جوابی میں لکھ بھی چکا ہوں۔ آئندہ کار روائی جلسے سے مطلع فرمائیں۔ والسلام۔

افسوس کہ اس مکتوب پر مکتوب نگار کا نام نہیں ہے، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ مکتوب الیہ کوئی معروف شخصیت ہے، اور تحریک اہل حدیث کے سرگرم لوگوں میں ہیں۔ پتہ کی جگہ مکتوب الیہ کا نام اس طرح تحریر ہے بملاحظہ مقدس مکرم جناب حکیم مولوی الحاج المولانا عبدالغفور رمضان پوری اور انگریزی میں بانکی پور پٹنہ کا پتہ ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مکتوب الیہ اس وقت پٹنہ میں مقیم تھے۔

(۲)

ایک مکتوب مولانا عبدالسلام مبارک پوری کا ہے جو خالص علمی ہے، اس کے مکتوب الیہ میر گوہر علی ہیں، ذیل کا پتہ تحریر ہے ضلع پٹنہ بہار ڈاک خانہ عابدو چک موضع کونند میر گوہر علی عطار، یہ مولانا کے وطن سے متصل بستی ہے جہاں ان کا کتب خانہ ہے، ان کے صاحبزادے مبین صاحب رمضان پور سے یہیں منتقل ہو گئے تھے، یہ مکتوب گرچہ مولانا رمضان پوری کے نام نہیں ہے لیکن چوں کہ ایک بڑے عالم کا ہے اور خالص علمی بحث پر مشتمل ہے بلکہ اس میں خطاب بھی نہیں ہے صرف بحث ہی ہے اس لئے یہاں درج کیا جارہا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اوجز السیر لاحمد بن فارس التوفی ۵۹۳ھ ص ۵۔

مات رسول اللہ ﷺ عن تسع نسائه (۱) سودة بنت زمعة، (۲) عائشة بنت الصديق رضی اللہ عنہ (۳) حفصة بنت عمر (٤) ام حبيبه بنت ابی سفيان (٥) ام سلمه يعنى هند بنت ابی امية (٦) زينت بنت جحش (٧) جويرية بنت الحارث (٨) صفية بنت حيى (٩) ميمونة بنت الحارث، وماتت فی حياة رسول الله ? من نسائه خديجة وزينب بنت خزيمة الهلالية - انتهى ملخصاً.

وحج رسول الله ومعه نساؤه التسع اللاتی مات عنهن، وهن التسع المذكورة اعنى سودة وعائشة وحفصة وام سلمة وام حبيبة وزينت بنت جحش، وجويرية وصفية وميمونة .قال فی زاد المعاد ص۲۳۷ واما قول عائشة ضحى رسول الله ﷺ عن نسائه بالبقر فهو هدى اطلق عليه اسم الاضحية وانهن كن متمتعات وعليهن الهدى فالبقر الذى نحر عنهن هو الهدى الذى يلزمهن ولكن فی قصة نحر البقرة عنهن وهن تسع اشكال، وهو اجزاء البقرة عن أكثر من سبعة انتهى وايضاً قال فی ص ۲۵٦ كما قالت عائشة ضحى رسول الله ﷺ عن نسائه بقرة وكن تسعاً ومرادها الجنس لا التخصيص بالواحدة.انتهى.

آپ نے حجۃ الوداع میں اپنی بیبیوں کی طرف سے ہدی میں قربانی گائے کی دی تھی، اور آپ کے ساتھ نو بیبیاں تھیں، خدیجہ، زینب بن خزیمہ وفات کر چکی تھیں۔ جناب رسول اللہ ﷺ کی وفات شریف کے وقت نو بیبیاں زندہ تھیں، اور وہی حجۃ الوداع میں بھی ساتھ تھیں، سودہ، عائشہ حفصہ، ام سلمہ، زینب بنت جحش، ام حبیبہ، جویریہ، صفیہ، میمونہ، حضرت سے تو پہلے آپ نے نکاح کیا تھا، جب ان کی وفات ہوئی تب اور بیبیوں سے نکاح کیا، موصوف دو ماہ بعد نکاح زندہ رہیں۔ زاد المعاد مؤلفہ حافظ علامہ ابن القیم اور او جز السیر کی عبارت منقول ہوئی۔ فرضی اللہ عنہن وعنا کار لائقہ سے بلا تامل مطلع کریں۔ والسلام

عبدالسلام عفی عنہ

۲۰ رمحرم ۷امبارکپور۔ رانی پور ضلع اعظم گڑھ

(۳)

دفتر سعید المطالع پریس دارانگر سعید منزل بنارس

۲۰ راگست ۲۱ء

مکرم بندہ جناب من وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ والا نامہ شرف صدور لاکر کا شف احوال ہوا، یہاں بھی دوشنبہ کو ہی بقرید گزری، میرا مضمون مدرسہ میں زکاۃ کا خرچ، اخبار اہل حدیث جلد ۱۶ ع ۲۳ ۱۲ نومبر ۱۸ میں شائع ہوا تھا، اور قبول دعوت ولی دختر کا مضمون حال ہی میں اخبار مذکور جلد ۱۸ ع ۲۷، ۱۳ مئی ۲۱ء کے ص ۵ میں شائع ہوا ہے، جس میں میں نے تاریخ خمیس، فتح الباری، منہاج نواوی، نیل الاوطار، کتاب الام للشافعی، فتاوی عالمگیری، فتاوی ظہیریہ، مرقاۃ، مواہب لدنیہ، بخاری، مسلم، صراۃ مجمع البحار، سیر احمدیہ للمولوی کرامت علی دہلوی تلمیذ مولانا شاہ محمد اسحاق دہلوی اور فتاویٰ نذیریہ حصہ دوم سے امداد لی ہے، اگر آپ کے پاس صرف پچھلی کتاب یعنی فتاویٰ نذیریہ موجود ہو تو اسی کے حصہ دوم کو ملاحظہ فرمائیں، اس میں ص ۳۳۹ سے ص ۳۴۸ تک پورے دس صفحوں میں بہت بسط وتحقیق سے جواز دعوت پر بحث کی گئی ہے۔ حضرت میاں صاحب کا فتوی بھی یہی ہے۔ مرزا حسن علی کا رسالہ فی الصداق میں نے نہیں دیکھا ہے نہ میرے پاس ہے، نہ مجھے یہ معلوم کہ کس کے پاس ہے اور کہاں سے دستیاب ہوگا، مسئلہ نکاح سے متعلق اردو یا فارسی رسائل کوئی میری نگاہ سے نہیں گزرے۔ ہیضہ تو یہاں اب کم ہے، ملیریا کا زور البتہ ہو گیا ہے، بقرید کے بعد سے یہاں بھی بارش بکثرت بلا ضرورت ہو رہی ہے، چھوٹے بھائی مولوی محمود کی لڑکی انتقال کر گئی ہے، والدہ علیل ہیں، گھر میں بھی طبیعت اچھی نہیں ہے، اور بھی بہت سی پریشانیاں ہیں، دعا فرمائیں کہ خداوند تعالی رفع فرمائے۔ والسلام

خاکسار، محمد ابوالقاسم عفی عنہ

نام سے واضح ہے کہ اس کے مکتوب نگار مشہور عالم مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی ہیں۔ پتہ میں تحریر ہے۔

بخدمت جناب مولوی حکیم حافظ حاجی محمد عبد الغفور صاحب موضع رمضان پور ڈاک خانہ بر بیگہ ضلع مونگیر۔

(۴)

ایک اور تفصیلی مکتوب ہے جس کے مکتوب نگار مولانا ابوتراب عبدالرحمٰن گیلانی مشہور عالم ہیں، لیکن یہ ان کا ایک فتوی ہے، جو سیاہ روشنائی سے دوصفحات میں کتابت کی صورت میں ہے، اس کا بڑا حصہ حضرت شاہ ولی اللہ کی فارسی

شرح موطا مصفی کے اقتباس پر مشتمل ہے اس کے بعد ان کی آراء ہیں، اس کے آغاز میں آدھے صفحہ کا مکتوب ہے جو نیلے قلم سے ہے، اور اخیر میں بھی نیلے قلم سے دو تین سطر میں ہیں، بہ ظاہر اس کے مکتوب الیہ بھی مولانا رمضان پوری ہی ہوں گے کیوں یہ انہیں کے ذخیرہ میں شامل تھا، یا ممکن ہے ان کی بستی کے کوئی اور عالم ہوں۔ بہر حال یہ پورا مکتوب ذیل میں پیش خدمت ہے:

مولانا الاعظم مدظلہ العالی

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سابقا اور اب ارسال خطوط یا جواب لکھنے میں تشتت بال کے سوا تعویق کی کوئی وجہ نہیں، وکفی باللہ شہید۔ تعدد جمعہ کے بارے میں خاکسار بغیر جمع خاطر کے کچھ بھی عرض نہیں کرسکتا ہے، غالبًا ابن حجر نے بھی اذان اول کو ہشامی اذان کسی سے نقل کیا ہے، باقی امور کے متعلق کوئی تسکین خاطر نہ ہوگی مگر میری سراسیمگی کا لحاظ کر کے بہت تصور فرمائیں گے، یعنی جس قدر میں حوالہ قلم کر رہا ہوں غنیمت ہے۔ برادرم مولوی عبدالحنان صاحب غالبًا آٹھ ماہ ہوتے ہیں کہ افریقہ میں ہیں، برادرم مولوی عبدالحنان صاحب گوبند پور میں مطب کرتے تھے، چھوٹا بھائی غالبا گیلانی میں ہے، میری سراسیمگی محتاج بیان نہیں ہے، وسع اللہ علینا۔

اس علامہ میں ان دنوں مرچا کے قریب مواضعات میں ہیضہ پھوٹا ہوا ہے، رمضان میں نبی نگر کڑار ضلع شیخ پورہ) کے قیام کا خیال ہے، وہاں کے اطراف میں بھی ہیضہ کی شکایت سنا ہے، دعا فرمایئے کہ اللہ تعالی زندہ رکھے تو با ایمان اور موت دے تو بھی با ایمان۔

خاکسار ابوتراب عبدالرحمٰن گیلانوی از مرچا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ: صلاۃ جمعہ لفظی است کہ پیش از شریعت برائے چیزی موضوع نبود، واز استعمالات صاحب شرع واصحاب و اتباع او فہمیدہ شد کہ آن نمازی است خاص بکیفیت مخصوصہ پس چارہ نیست از ملاحظہ آن خصوصیات کہ در افراد جمعہ یافتہ شدہ ومعرفت صفات نفسیہ اور پس نماز جمعہ دو رکعت است، در وقت ظہر، با جماعت عظیمہ از مسلمین در قریہ یا در شہر و جمعہ در شہر یکجا می باشد، ووالی یا نائب او امام بود، وقبل از وی خطبہ جمعہ می خوانند کہ در عرف آن را خطبہ می گویند، اما دو رکعت پس صفت نفسیہ اوست بی شبہ، واما وقت ظہر پس شرط جمعہ است، زیرا آن کہ بسیار می شد، کہ جمعہ فوت شدی و قضای بر صورت ظہر می کردند، نہ بر صورت جمعہ، و در میں مسئلہ اتفاق امت مرحومہ یا جمہور بر آن ظاہر می شود، اما جماعت پس لازم جمعہ است ولفظ جمعہ وعیدین وتشبیہ بہ سبت یہود واحد نصاری بر آن دلالت می نماید و بی شبہ در اکثر اوقات جماعہ عظیمہ می بود، ولہذا، بیہقی از این مسعود نقل می کندانہ جمع بالمدینۃ وکانوا اربعین رجلا - وایں عبارت دلالت بر اقلیت این جمع می کند، وحال چنان بود زیرا کہ جمعات آن حضرت طی می کنیم واصحاب وہلم جرا بیشتر می بود ندازار بعین بدرجات بسیار، واما وجو دار بعین ضروری است، در انعقاد جمعہ یا نہ امام شافعی می گوید، ضروری است، وفیہ نظر، زیرا کہ حدیث انفضاض دلالت می کند کہ نبودند آن جادر آخر خطبہ وظاہر از ان آن است کہ در اول نماز نیز بگردد، واز دو تین پس انتقای وصف اربعین ثابت شدہ، و

اجتماع عود ایشان بغیر فصل کہ دراین صورت شافعیہ پیدا کردہ اند، مستندی ندارد، بلکہ ظاہر از سیاق آیہ وسیاق قصہ آن است کہ انفضاض برائے اشتراء متاع بودہ است، ولہذا خدای تعالی فرمود اذا راوا تجارۃ اولہوا- الآیۃ ولہذا بیع وشرا درین وقت ممنوع شد وآن فصل طویل است وغالبًا خطب آن حضرت ایام طویل نبود، پس اجتماع عود بی فصل در خطبہ یا در اول نماز بعدت باشد، پس ظاہر آن است کہ در دیجی اگر دون اربعین جمعہ خواندند نماز ایشان صحیح باشد، ومتخلفان آثم شوند، واما قربہا یا شہر پس شرط جمعہ است، بجہت آن کہ در زمان آن حضرت مالم در بدو جمعہ نمی بود وبا آن حضرت میم جمعی کثیر از اہل مکہ درعرفہ بودند ایشان را جمعہ نفرمودند وسفر اگر عدم تحتم درحق آن حضرت واہل مدینہ می تواند شد، درحق اہل مکہ علت نمی تواند شد، الا بودن ایشان در رصحرا، واثر حضرت عثمان کہ اذن داد اہل بادیہ را برجوع پیش از وقت جمعہ وعمل مستمر مسلمین کہ در دبدو جمعہ نیست، ونہ در بریہ، ونہ در اہل خیام، وفارق میان اہل خیام وقریہ وجود ابنیہ است، ودرعوالی و قریہ قلہ متوطنان پس برجمعی کہ براجتماع ایشان اسم قریہ توان اطلاق نمود جمعہ واجب است، صد کسی باشند، یا زیادہ ودر بعض احادیث اقل آن پنجاہ کس مرد عاقل بالغ درآمد۔

واما آن کہ درزمان آن حضرت مالی می کنیم واصحاب در یک مسجد می خواند، منشا آن تحقیق جماعت عظیمہ است کہ صورت تعدد جماعت میسر نمی باشد، یا تبرک باقتدای آن حضرت می کنیم وخلفای کرام وحرص براستماع وعظہ ایشان، وصفت نفسیہ بودن آن معلوم نیست وبرتقدیر منشا اول می باید کہ شہر عظیم کہ ہر طرفی از وی مانند قریہ باشد آن جا تعدد جمعات جائز بود، واما امامت خلیفہ یا نائب او پس امر مستمر بودو منشا آن امر است بتقدیم والی درمحل ولایت خود، پس مخصوص باشد بحضور والی وبطریق استحباب باشد، چنانکہ تقدیم اقرابر اعلم وسائر نظائر مسئلہ واثر حضرت علی کہ اربع الی الامام الخ محمول برندب تقدم والی درمحل خود است، اما خطبہ پس در قرآن عظیم فاسعوا الی ذکر اللہ آمدہ ودر حدیث شیخین آمدہ، فاذا خطب الامام طووا الصحف واستمعوا الذکر - ومراد از ذکر خطبہ است وعمل مستمر آن حضرت علی ایم واصحاب وعلم جرا دلالت می کند برضروری بودن آن وعمل مستمر دلالت می کنند کہ وظیفہ جمعہ دو خطبہ است، وچون خطب آن حضرت می کنم وخلفای وہلم جرا، ملاحظہ کردن تنقیح آن جود چند چیز است. حمد وشہادتین، وصلاۃ برآن حضرت یم وامر تقوی وتلاوت آیتی، ودعا برای مسلمین ومسلمات و عربی بودن خطبہ - اما حمد بجہت آن کہ در حکایت خطبہای آن حضرت ام آمد- محمد اللہ واثنی علیہ ودر خطبہ حاجت الحمد للہ نحمدہ آمدہ وعمل مستمر مسلمین بران جاری شدہ واما تشہد بجہت بودن آن در خطبہ حاجت وخطبہ جمعہ وابود اور ہر دو حدیث را روایت کردہ ودر حکایت خطبہ آن حضرت طلایی یا اسلام مکرر شدہ است، ثم تشہد وبجہت حدیث ترمذی کل خطبۃ لیس فیہا تشہد فہی کالید الجذماء -و بجہت آن کہ تشہد بجای خطب درکلام اہل شرع آمدہ۔ واما صلاۃ پس بجہت وجود صلاۃ نزدیک نام آن حضرت می کنیم وعمل مستمر مسلمین وامر بتقوی بجہت آن کہ درقرآن آن راذکر فرمودہ بمعنی تذکیر وبجہت آن کہ عامی وجاہل ہمہ می دانند کہ مشروعیت خطبہ برای پند دادن است وتلاوت

بجہت آن کہ در خطبہ حاجت آمدہ، ثم تقرا ثلث آیات ودر حکایت خطبہ جمعہ آمدہ است تلاوت یا مالک لیقض علینا ربک وامادعای برای مسلمین ومسلمات بہ عمل مستمر مسلمین و عربی بودن نیز بجہت عمل مستمر مسلمنو درمشارق ومغارب با وجود آن کہ رمسلمین درمشارق ومغارب با وجود آن کہ در بسیاری از اقالیم مخاطبان عجمی بودند.

الی ما قال فی مصفاہ مما یتعلق بالجمعة لا حاجة لنا الی ایرادھا لانھا خارجة عما نحن فیه۔

جناب شاہ ولی اللہ کی یہی عبارت ہے جس کی مجھے بہت تلاش تھی، خاکسار کے نزدیک خطبہ جمعہ بمرتبہ (؟؟) امر تعبدی کے ہے، معنی ومطلب کے سمجھنے اور سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے، جو حدیثوں میں یقرأ آیات ویذکر الناس یا اس قبیل کے الفاظ ہیں، احتمال ہے کہ لفظ یذکر الناس یقرأ آیات کی تفسیر واقع ہوا ہو، یعنی آپ ایسی آیتیں تلاوت فرماتے تھے جن میں تذکیر اور موعظت ہوتی تھی، ورنہ عمل مستمر مسلمین اس کے خلاف کیوں مشیر (؟) ہے۔۔۔ غالبًا جناب شاہ صاحب کے امر بتقوی کا مطلب بھی وہی ہے، کیوں عربی زبان نہ جاننے والوں کو غیر زبان عربی کے سوا پند ونصیحت کیوں کر کارآمد ہوگی۔ پس مقصد یہی ہے کہ آیات مشتمل بر امر بالمعروف کی تلاوت کریں ورنہ سامعین کی زبان میں پند ونصیحت کے بغیر چارہ نہ ہوگا۔ لاریب کہ عرب صحابہ کو ممکن ہے کہ عربی زبان کے علاوہ دوسری زبانیں سیکھنے کا موقع نہ ملا، اس لئے وہ اپنے خطبات غیر زبان عربی میں کیوں کر دیتے، لیکن وہ صحابہ جو علاوہ عربی زبان کے علاوہ عجمی زبانوں سے بھی واقف تھے یا بالکل عجمی ہی تھے وہی کبھی زبان عربی میں خطبہ دینے کی جگہ قوم اور ملک کی زبان میں خطبہ دیا کرتے تھے یا نہیں۔ اگر ثابت ہو تو ضرور مطلع فرمائیں۔ اور یہ بات کہ فاتح کا مفتوح علاقوں میں اپنی زبان رائج کرنا دستور ہے اسلام کی فیض رساں ذات سے بہت بعید ہے، علاوہ بریں یہ دستور کچہریوں اور دیگر ممالک سرکاری میں جاری تھا، عبادتوں میں کب یہ دستور تھا یا ہے۔ پس لاجرم کہ خطبہ جمعہ ایک امر تعبدی ہے، جو زبان عربی میں ہونا چاہئے، یہ کچھ ضرور نہیں کہ امر تعبدی ہونے کے لیے نماز کی مماثلت بھی پائی جائے۔ جن مقامات سے میں خطبہ جمعہ کا زبان عربی میں ہونا امر تعبدی سمجھا ہوں بالتفصیل یاد نہیں ہے ورنہ حوالہ قلم کرتا۔

خطبہ جمعہ بزبان عربی توارث وعمل مستمر (از ابتدائے شریعت محمدیہ علی صاحبہا التحیۃ یا ایں دم) سے موید ہے کسی عذر یا باعث کی علت سے آج (؟) توڑ ڈالنے پر نماز عیدین سے مماثلت پیدا کرنا قیاس مع الفارق ہے، جیسا کہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ مدینہ والے مصلے میں جا کر نماز پڑھتے تھے اور مکہ والے مسجد حرام میں۔ یہ محتمل ہے کہ بوجہ ضیق مسجد کے مدینہ والے مصلی جا کر عیدین کی نماز ادا کرتے تھے، اور مکہ والے کشادگی کے باعث خود مسجد حرام میں عیدین کی نماز پڑھتے تھے۔ پس عمل اہل مکہ کو بوجہ عذر کے خلاف توارث کہنا خلاف واقعہ ہے۔ کیوں کہ عمل اہل مکہ تو بجائے خود ایک توارث ہے، اس کو خلاف توارث نہیں کہہ سکتے ہیں، کیوں کہ مسجد حرام میں نماز عیدین کا ادا کرنا عہد نبوی ہی سے دستور ہوگا، اور قرین قیاس ہے کہ بعالم حضور یا بہ اجازت آن حضرت ملی کی کمی کے ہوگا،

تو خلاف توارث کیسا، جو اعتبار توارث کے لئے لایعذر کی قید لگائی جائے۔ علت اور عذر ضیق مسجد تنگی جگہ صحیح ہے کہ اسی لئے مدینہ منورہ میں اندر مسجد نبوی عیدین کی نماز ادا نہ کی جاتی تھی۔ لیکن یہ کہنا کہ اسی عذر سے مکہ والوں نے توارث کے خلاف کیا اور اس توارث کا اعتبار نہ کر کے مسجد حرام میں نماز عیدین ادا کرنے لگے میرے ناقص فہم میں صحیح نہیں ہے۔

واخرج الشوكانی علة اخری رداً علی الشافعية والحنفية فقال وفيه ان كون العلة الضيق والسعة مجرد تخمين لا ينتهض للاعتذار عن التاسی به فی الخروج الی الجبانة بعد الاعتراف بمواظبته علی ذلك واما الاستدلال علی ان ذلك هو العلة بفعل الصلاة فی مسجد مكة فيجاب عنه باحتمال ان يكون ترك الخروج الی الجبانة لضيق اطراف مكة لا للسعة فی مسجدها و هذا الاحتمال وان كان جواباً حسناً فی الظاهر ولكنه خلاف الواقع فی الحقيقة عند المتامل.

صاحب التحریر المختار (کذا الدر المختار کا نوٹ بیشک خیانت ہے، کتابوں میں قاموس یہاں نہیں ہے ورنہ محراب اور قصبہ وغیرھما کے متعلق کچھ عرض کرتا۔ لغوی حیثیت سے محراب کا معنی بے شک وہی ہے جو عبارت ہے مصلیٰ سے، لیکن جن کتابوں میں فقہاء نے محراب کی تفصیل کی ہے، وہ تو مصلیٰ سے خارج ہے۔ اصطلاح میں محراب مصلیٰ کو فقہاء نہیں کہتے ہیں۔ هذا آخر ما اورته فی وقت بعد وقت مع تشتت البال الله يرحمنا واياكم ابو تراب عبد الرحمن عفی عنه۔

مولانا ابوتراب عبدالرحمٰن گیلانی اس علاقہ کے معروف عالم تھے، ان کے والد مولانا عبداللہ ہزاروی ثم گیلانی مشہور سلفی علماء میں تھے اور دونوں حضرات نے مولانا سید نذیر حسین محدث سے تعلیم کی تکمیل کی تھی، مولانا عبدالرحمٰن گیلانی نے علامہ شمس الحق عظیم آبادی سے بھی پڑھا تھا۔ ان کی تصانیف میں سفر آخرت، انجمن تبلیغ اسلام گیلانی (بہار شریف ۱۹۱۹)، زبدۃ الابحاث بجواب عمدۃ الطلاق، تردید العموم ووجوب الاطلاق لابطال مباحث الاحقاق - سوط الرحمٰن علی تارک الشہادتین والصلاۃ والزکاۃ والحج وصیام شہر رمضان (مطبع سعید المطابع بنارس (۱۳۱۵ھ) کا علم ہے، یہ رسالہ یا فتوی اس پر مستزاد ہے۔ مولانا کی نانہال نبی نگر (گزار) ضلع شیخ پورہ تھی جس کا ذکر مکتوب بالا میں آیا ہے۔ وہ تانتی باغ کلکتہ کے مدرسہ دارالہدی مس، بھی مدرس رہے تھے، کلکتہ میں وہ الہلال سے بھی کچھ دن کے لئے وابستہ ہوئے تھے۔ (ادبیات از مولانا ابومحفوظ الکریم معصومی کلکتہ ص ۵۸۴)

مولانا معصومی کی اطلاع کے مطابق پھر کلکتہ چھوڑ کر جھاجھا ضلع جموئی (بہار) میں سکونت اختیار کر لی تھی، وہاں غالباً فروری مطابق ادھ میں ان کا انتقال ہوا۔ بہ ظاہر جھاجھا کے بجائے مرچا کا لفظ درست ہو، جو مکتوب میں مذکور ہے اور جس کی ریاست کے نواب نے ان کے والد کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا۔ اور ممکن ہے کہ دونوں جگہیں قریب قریب ہی ہوں، اور شاید اسی نسبت سے وہاں ان کا قیام تھا۔

☆☆☆

العبد التقی الغنی الخفی

(سانحہ ارتحال والد گرامی مولانا فضل حق مدنی مبارکپوری رحمہ اللہ)

راشد حسن مبارکپوری

گیارہ فروری ۲۰۲۵ء کی شب بڑی کربناک تھی، تقریبا ساڑھے دس بجے عزیزم حافظ حمید حسن سلفی سلمہ اللہ نے (دہلی سے) کال کرکے آگاہ کیا کہ ابو جان (مولانا فضل حق مدنی مبارکپوری) کی طبیعت زیادہ خراب ہورہی ہے، آپ گھر پہنچ کر ویڈیو پہ بات کیجئے، میں اس وقت مدرسہ انوار العلوم املو مبارکپور کے جلسۂ دستار بندی میں بحیثیت مقرر شریک تھا، ابو کی طبیعت کو لے کر میں ذہنی طور پہ مضطرب اور پریشاں خاطر تھا، اس لئے تقریر کرنے کے بعد فوراً نکل پڑا، وہاں کے علماء کی ٹیم نے اعزاز کے ساتھ رخصت کیا، گھر پہنچ کر بات ہوئی، ابو جان سفر آخرت کی تیاری میں مصروف تھے (دل محیط گریہ ولب آشنائے خندہ ہے)، نمناک آنکھوں سے اک آخری دیدار ہوا، کلمہ لا الہ إلا اللہ ورد زباں تھا، یہ منظر اس قدر روح فرسا تھا کہ جیسے وقت ٹھہر سا گیا ہو اور اس خانوادے کے افلاک پر نالہ وشیون نے خیمہ زنی کی ساری تیاریاں مکمل کررکھی ہوں، کچھ دیر کے بعد گھنٹی بجی، لرزتے ہاتھوں سے رسیو کرتے ہی وہی خبر آئی جسے سوچ کر روح کانپ جاتی تھی، بھانجے ڈاکٹر آصف ظفر وہیں موجود تھے، انہوں نے کہا کہ نانا کی نبض نہیں چل رہی ہے!! یہ جملہ میرے لئے نیا نہیں تھا، اس جملہ کی کربناکی میں اس سے قبل کئی بار سن کر لرز چکا تھا، ایک بار پھر زندگی میں اس جملہ نے میرے پورے وجود کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا، لیکن قضا وقدر یہی ہے اور اس پر ایمان رکھنا مؤمن کا شیوہ ودستور ہے، سو ہم سب افراد خانہ نے صبر وشکیب کے ساتھ ابو رحمہ اللہ کو الوداع کہا، چھوٹے بھائی عزیزم حافظ حمود حسن سلمہ اللہ نے عین بعالم احتضار وفراق انتہائی ثبات قدمی اور اعتماد کے لہجے میں یہ آیت کریمہ پڑھی: یا أيتها النفسُ المطمئنَّة، ارجعي إلى ربك راضيةً مرضيةً۔ امی جان نے سنت کے مطابق ابو محترم کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے کہا جائیں، اللہ کے فیصلے پر راضی رہیں، ہمارا ساتھ یہیں تک تھا اور ابو کی روح مؤمنانہ شان سے باطمئنان وعافیت قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔ زندگی بھر صبر وثبات قدمی کا درس دینے والا اب خاموش اور پرسکون تھا، جیسے پُر مشقت سفر میں برسوں کی تھکن دور ہوگئی ہو، وارثین وحاضرین نے اسی ثبات قدمی اور ضبط کو آئندہ نسلوں تک منتقل کرنے کی ریت نبھائی، یوں کہ آنکھیں اشکبار تھیں، مگر زبانوں پہ کوئی شکوہ نہ تھا، سب رب کی تقدیر پر راضی برضا تھے، یہ دراصل سامنے رکھی نعش کا اعزاز تھا، اعزاز کا یہ رویہ سرزمین دہلی نے مدتوں بعد دیکھا ہوگا، ہر چند کہ دہلی نے نہ جانے کتنے بڑوں کو بعالم مرگ دیکھا ہوگا، الوداع کہا ہوگا اور حوالہ خاک کیا ہوگا، کہ نسبت ہماری خاک سے جڑی ہے

اور خاک کے پیرہن کو ایک دن زیب تن کرنا ہی ہے۔ ع/

برخیز کہ خاک را غنیمت دانیم
کز خاک ہمہ خلق بہ ہم یکسانیم

(اٹھو! آؤ کہ مٹی کو غنیمت جانیں، کہ آخر کار مٹی میں سما کر تمام مخلوق یکساں ہوجاتی ہے)

تاہم اس طرح دیکھتے ہی دیکھتے نصف صدی تک کوہسار و وادی نیپال میں کتاب وسنت کی شمع روشن کرنے والی ذات گرامی، زہد واتقا اور اخلاص وللّٰہیت کا استعارہ، شانِ استغنا سے معمور، سادگی، کسر نفسی، تواضع اور قناعت پسندی کے پیکر، شہرت، مادہ پرستی اور دنیاداری سے کنارہ کش شخصیت ہم سب کو داغ مفارقت دے گئی۔

إنا لله وإنا إليه راجعون، إنَّا بفراقك لمحزونون يا أبانا الحنون، العالم الربانى التقى الوقور، إنّ العين لتدمع والقلب ليحزن، ولانقول إلا ما يُرضى ربَّنا.

ایں خانہ ہمہ آفتاب است:

والد گرامی مولانا فضل حق مدنی مبارکپوری رحمہ اللہ علمی گھرانے کے گل سرسبد تھے، یہ علمی گھرانہ تحریک شہیدین سے بھی ملتا ہے کہ آپ کے اجداد میں سے ایک بزرگ عالی مقام اس تحریک میں حضرات شہیدین سید احمد بریلوی اور شاہ محمد اسماعیل شہید رحمہما اللہ کیساتھ لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ اور علمی استناد اس طرح حاصل تھا کہ آپ کے والد حاجی عبدالرقیب مرحوم علامہ عبدالسلام مبارکپوری رحمہ اللہ (مؤلف سیرت البخاری) کے سگے پوتے تھے، علامہ مبارکپوری کی علمی عظمت سے کون واقف نہیں، کہ آپ ہندوستان کے معتبر اہل علم کے صف اول میں تھے، حضرت میاں نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ کے اُخص تلامذہ میں سے تھے، نیز علامہ شمس الحق محدث عظیم آبادی اور علامہ ثناء اللہ امرتسری رحمہم اللہ کے خاص دوستوں میں سے تھے۔ والد رحمہ اللہ کے دادا ڈاکٹر عزیر رحمانی رحمہ اللہ حضرت شیخ الحدیث علامہ عبید اللہ رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ کے چھوٹے بھائی تھے، گویا حضرت شیخ الحدیث آپ کے بڑے دادا تھے، آپ کی پرورش وپرداخت میں دراصل شیخ الحدیث مرحوم کا اصل کردار تھا، شیخ الحدیث کے بیٹے فضل حق مرحوم کی جب وفات بمرض کالرا ہوئی تو اس وقت والد رحمہ اللہ کی ولادت ہوئی، چنانچہ آپ نے اپنے بیٹے کے نام پر والد مرحوم کا نام رکھا، جو بعد میں صحیح معنوں میں حق کا فضل ثابت ہوئے، شیخ الحدیث اپنے اس پوتے سے غیر معمولی لگاؤ اور محبت رکھتے تھے، جس کا اظہار زندگی کی آخری سانسوں تک رہا، شیخ الحدیث نے اپنی وفات سے پہلے والد رحمہ اللہ کو یاد کیا، آپ اس وقت جھنڈانگر میں تدریسی فرائض انجام دے رہے تھے، وہاں سے آئے اور آخری ملاقات بھی ہوئی، والد رحمہ اللہ کے نام نہ جانے کتنے خطوط ہوں گے جو تلف ہوگئے، آپ کا جب بھی ذکر کرتے کبھی نام نہ لیتے، صرف 'بڑے دادا' ہی کہتے، اکثر ذکر پر آبدیدہ ہوجاتے، ہر فتوی ہر مسئلہ میں 'بڑے دادا' کا حوالہ دیتے، علم وعمل کی مثال دینی ہوتی تو آپ کی دیتے، بچپن میں ہم نے نہ جانا کہ یہ کون شخصیت ہے، لیکن مرور وقت کے ساتھ جب ہم جامعہ سلفیہ بنارس گئے تو اس نام کا حوالہ عقیدت ومحبت کے کشکول میں بار بار اساتذہ گرامی سے سنا تو عہد گزشتہ کی یہ دھندلی

تصویر مزید صاف ہوئی، اس عظمت کا اندازہ ہوا اور پتہ چلا کہ یہ شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی ذات گرامی ہے۔

والد رحمہ اللہ کے دادا ڈاکٹر عزیر رحمانی رحمہ اللہ نے الگ الگ اوقات میں چار شادیاں کیں، پہلی دادی اماں سے ہمارے دادا حاجی عبدالرقیب رحمہ اللہ پیدا ہوئے، اماں کا انتقال ہوگیا تو آپ کے خالو مبارکپور کے رئیس ترین تاجر اور نیک خصلت شخصیت جناب حاجی عبدالقیوم رحمہ اللہ نے آپ کو گود لے لیا، اس طرح دادا مرحوم کی پرورش ایک انتہائی متمول گھرانے میں ہوئی، اسی کی برکت سے ابورحمہ اللہ کی شادی مبارکپور کے مشہور تاجر گھرانے حاجی علی احمد مرحوم دلہن پورہ میں ہوئی۔

توانا بود ہر کہ دانا بود:

والد رحمہ اللہ کی پرورش وپرداخت بھی بڑے آب وتاب اور شاہانہ انداز سے ہوئی، ابتدائی تعلیم جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارکپور میں ہوئی، اس کے بعد حضرت شیخ الحدیث نے آپ کو اور اپنے چھوٹے فرزند محترم ڈاکٹر عبدالعزیز رحمانی حفظہ اللہ کو جامعہ سلفیہ بنارس میں داخل کرادیا، حضرت علامہ محمد رئیس ندوی رحمہ اللہ سے جو شیخ الحدیث رحمہ اللہ سے انتہائی قرب رکھتے تھے کہا: ان دونوں بچوں کو اپنی تربیت میں رکھیے، ایک میرا بیٹا ہے اور دوسرا میرے بھائی کا پوتا، دونوں میں کوئی فرق نہ کیجئے گا! اس طرح آپ دونوں علامہ ندوی کے کمرے میں ہی رہے، علامہ مرحوم جب کبھی مبارکپور آتے ہمارے گھر قیام فرماتے، یہ تعلق ہمیشہ باقی رہا، والد محترم جب مجھے جامعہ سلفیہ داخلہ کیلئے لے گئے تو سب سے پہلے علامہ مرحوم سے ملاقات کرائی اور دعائیں لیں۔

والد محترم کی عالمیت جامعہ سلفیہ میں مکمل ہوئی، وہ جامعہ سلفیہ کا سنہرا دور تھا، ہم سبق دوستوں میں شیخ عزیر شمس، شیخ أحسن جمیل مدنی (سابق شیخ الجامعہ جامعہ سلفیہ بنارس)، شیخ عبدالمعید مدنی، شیخ مفتی جمیل احمد مدنی (مرکزی جمعیت دہلی)، شیخ نعیم الدین مدنی رحمہ اللہ (سابق استاد جامعہ سلفیہ) وغیرہم تھے، جبکہ ایک سال آگے ڈاکٹر رضاء اللہ مدنی مبارکپوری رحمہ اللہ، شیخ عبداللہ سعود سلفی (ناظم جامعہ سلفیہ)، شیخ صلاح الدین مقبول احمد (کویت)، شیخ رفیع احمد مدنی (فیجی) وغیرہم تھے۔ اوران سے آگے شیخ شاہد جنید سلفی (صدر جامعہ سلفیہ)، ڈاکٹر عبدالعزیز مبارکپوری، شیخ ابوالقاسم فاروقی (سابق ایڈیٹر محدث بنارس)، شیخ عبیداللہ طیب مکی رحمہ اللہ وغیرہم تھے۔ یہ سب اس عہد میں آفتاب وماہتاب بن کر علمی دنیا میں چمکے، فضل وکمال کی بارش بن برسے اور نہ جانے کتنی سوکھی کھیتیاں سیراب کیں، کچھ سفر آخرت پہ روانہ ہوگئے، کچھ چراغ سحری ہیں اور کچھ بصحت وعافیت.. فمنهم مَن قضَى نحبَه ومنهم مَنْ ينتظر۔

جامعہ سلفیہ بنارس میں آپ متوسط طلبہ میں ہونے کے باوجود انتہائی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، اس کی بنیادی وجہ آپ کی شرافت نفسی، نیک طبعی، خوش مزاجی اور شیخ الحدیث مرحوم سے نسبت تھی، زمانہ طالب علمی ہی سے مزاج میں دین داری، خدا ترسی اور اخلاص وللّٰہیت کے آثار نمایاں تھے۔

جامعہ سلفیہ میں ابھی فضیلت مکمل نہیں ہوئی تھی کہ

حضرت شیخ الحدیث علامہ عبید اللہ رحمانی کے علامہ ابن باز رحمہم اللہ کے نام ایک مکتوب گرامی سے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں داخلہ مل گیا، مزاج داعیانہ بن چکا تھا، کلیۃ الدعوۃ میں داخلہ لیا، لیسانس مکمل ہوا، شیخ ابن باز رحمہ اللہ انتہائی عزیز رکھتے تھے، شیخ کے پاس گئے، شیخ نے استفسار کیا، کیا کرنا چاہتے ہو! آپ نے کہا سر دست یہیں رہ کر کوئی نوکری کرنا چاہتا ہوں، شیخ نے ایک رقعہ لکھا اور ائیر پورٹ پر ایک معزز نوکری مل گئی، لیکن اس سے کوئی طبعی مناسبت نہ بن سکی، چند ماہ کے بعد پھر واپس آئے، کہا دعوت وتدریس سے جڑنا چاہتا ہوں، زمانہ سادگی اور دینی اخوت ومودت کا تھا، احترام وتکریم کا تھا، ایک دوسرے کے حقوق کے تحفظ کا تھا، شیخ نے کہا: تمہارے سامنے دو راستے ہیں، یا جامعہ سلفیہ چلے جاو یا مولانا عبدالرؤف (رحمانی) کے ادارے جھنڈانگر جاو، والد محترم نے شیخ الحدیث کے مشورہ پر جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر نیپال کو منتخب کیا، ایک تو وہاں اچھے مدرسین کی ضرورت تھی، دوسرے مولانا جھنڈانگری شیخ الحدیث کے ارشد تلامذہ میں سے تھے، تو اس تعلق خاطر اور وجہ عقیدت کو وہ مزید مضبوط رکھنا چاہتے تھے، چنانچہ والد رحمہ اللہ نے بعد میں (میرے سوال- آپ نے دور دراز خطہ جھنڈانگر کو کیوں منتخب کیا کے جواب میں) مجھ سے خود بتایا کہ دعوت کا جو کام وہاں ہوسکتا تھا کہیں اور مشکل تھا کہ وہاں انتہائی ضرورت تھی۔ شیخ ابن باز رحمہ اللہ نے اس مجلس میں ایک بات اور پوچھی کس کے تابع رہ کر کام کرنا چاہتے ہو! رابطۃ العالم الإسلامی مکہ کے یا وزراۃ الأوقاف والشؤون الإسلامیۃ ریاض کے؟ اس وقت رابطہ کا غلغلہ تھا، اس لئے والد رحمہ اللہ نے رابطہ کو منتخب کیا۔ اس طرح آپ وہاں سے نیپال کی وادیوں میں داعی ومدرس کے کار نبوت کی انجام دہی کے لئے بھیجے گئے۔

زندگانی تھی تری مہتاب سے تابندہ تر:

سنہ ۱۹۱۸ء کی بات ہے، آپ جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر میں قدم رنجہ ہوئے اور وہیں کے ہو کر رہ گئے، تینتالیس برس تعلیم وتربیت، دعوت وتبلیغ، اصلاح ورفع نزاع وجہل، فروغ اخوت ومودت باہمی، وجذبہ تعاون وغم گساری میں گزار دیئے، آپ کی ذات گرامی سے نہ جانے کتنوں کی اصلاح ہوئی، نہ جانے کتنوں نے بدعات وخرافات ترک کی، نہ جانے کتنے راہ یاب ہوئے، نہ جانے کتنوں کی اسلامی خطوط وانداز پر تربیت ہوئی، نہ جانے کتنے بے نمازی نمازی بن گئے، نہ جانے کتنے سیہ کار وفریب کار صحیح سمت کی طرف گامزن ہوگئے، نہ جانے کتنوں نے آداب تعیش زیست سیکھا، سلیقہ وشائستگی کو چلتے پھرتے دیکھا، رکھ رکھاو اور دین سے گہرا تمسک متحرک محسوس کیا، تہذیب وکمال کے گر سیکھے، غیر دینی ماحول کو دینی چہک مہک نصیب ہوئی، غیر علمی ماحول میں علمی خوشبو دیکھی گئی، دیکھا گیا کہ اخلاص وللّٰہیت کا پیکر کیسا ہوتا ہے، تعلق باللہ، تقوی شعاری اور دین داری کا چشمہ کیسے ابلتا ہے، قناعت پسندی، دنیا سے قطعی بے رغبتی، لہو ولذات فانی سے کنارہ کشی وبے رخی، عبادت وریاضت میں ہمہ تن مصروفیت اور مصارف زندگی کے ہر پہلو ہر گوشہ میں دین کی رسی سے خود کو باندھے رکھنا، رضائے رب کے سوا بقیہ تمام سے بے غرضی کے مظاہر اور ان کی برکات کھلی آنکھوں نے دیکھے، ستھرے دل نے

محسوس کئے، اور بے غرض طبیعتوں نے اظہار کیا اور بہتوں نے بے لوث محبت کے یاسمین ونسترن نچھاور کئے۔ آپ کی تربیت واصلاح اور نیک نفسی وللّٰہیت کے خوبصورت اثرات صرف طلبہ پر نہیں بلکہ عوام پر بہت گہرے تھے، اس عہد میں جب آپ میں ہمت وطاقت تھی، حوصلہ وشوق تھا، عزم مستحکم تھا، تو تدریس ودعوت ہر دو میدانوں میں یکساں توجہ تھی، بعد میں چراغ جلتے گئے اور اندھیاری کم ہوتی گئی، تینتالیس برس میں ہزاروں طلبہ ومستفیدین وفیض یافتگان تیار ہوئے، جو آپ کے لئے ان شاء اللہ ذخیرہ آخرت ہوں گے اور وہ ہمیشہ سے آپ سے محض دینی بنیادوں پر محبت وعقیدت رکھتے ہیں، بارگاہ الٰہی میں دعا گو ہیں، اللہ قبول کرے۔

یک چراغ است درایں خانہ کہ از پرتوِ آں
ہر کجا می نگرم، انجمنِ ساختہ اند
(صائب تبریزی)

(اس گھر میں ایک ہی چراغ ہے، لیکن جہاں بھی نظر دوڑاتا ہوں اس کی روشنی سے ایک بزم سجی ہوئی نظر آتی ہے)

رُزِئنا "أَبَا حسن" وَلَا حَيَّ مثله:

(اے 'ابوحسن' تیری موت ہم پر انتہائی گراں گزری، بھلا: ایسا کہاں سے لائیں کہ تجھ سا کہیں جسے)

والد گرامی رحمہ اللہ نے علم وعمل سے معمور بھرپور زندگی گزاری، ایسی کی بہت کم مثال مل سکے گی، جہاں رہے وہاں بیک وقت پورے زمانہ نے گواہی دی، بے عملی کی ویران کھیتوں میں عملی شادابی کی گواہی، آپ کی زندگی کے بعض پہلو اتنا مجلیٰ اور تابناک ہیں کہ بسا اوقات یقین کرنا مشکل ہوجائے، کہ دنیا ایسے خوبصورت لوگوں سے خالی نہیں، جن کے دم سے تابندگی اور رخشندگی قائم ہے، زندگی انتہائی سادہ، بے تکلف اور کسر نفسی کی اعلی مثال، زندگی کے بہت سے رویے، عبادات، تعلقات، مواقف اور طرز تعامل سب کچھ مثالی، عملی زندگی میں تدریس وإفادہ، دعوت وارشاد، تربیت وتزکیہ، صالحیت وللّٰہیت، سادگی، تواضع، اخلاص اور رقت قلبی وغیرہ جیسے کچھ اوصاف ایسے ہیں جن کی کوئی مثال بحیثیت مجموعی ہمیں نہیں ملتی، آپ سے بڑے علماء ہیں، اصحاب جبہ ودستار ہیں، واعظانِ شریں بیان ہیں، اشتہارات وایڈورٹائزنگ کی انڈسٹری کے بے تاج بادشاہ ہیں، اصحاب محاضرات وشہادات ہیں، اہل تالیف وتراجم وتحقیق ہیں، بڑے مدارس کے نظما اور مدیران ہیں، زمین وآسمان کے قلابے ملادینے والے مشروعات کے مالکان ہیں، لیکن کوئی وہ نہیں یا وہ کم یاب ہیں جو شریعت اسلام کے مطلوبہ معیار کے مطابق صاف شفاف زندگی کے حامل ہوں، اسلام کے روحانی پہلوؤں کے محافظ ہوں، اخلاص وللّٰہیت کی ہچکولے کھاتی کشتی کی ناخدائی کریں، تربیت ودعوت کے سوختہ کشت زاروں کو تعبدی قطرہائے انفعال سے سیراب وشاداب کریں، اگر آپ بہ دیدہ عبرت نگاہ دیکھیں گے تو سوائے "ولاحی مثلہ" کی صدائے مسلسل کے شاید کچھ ہاتھ نہ آئے۔ عجب نہیں کہ ہاتھ بھی آئے تو بکھری وشکستہ صورت میں۔

ع/ سَبوح لها منها عليها شواهد
(پورا شعر اس طرح ہے:

وتُسعدنی فی غَمرةٍ بعد غَمرةٍ
سَبوحٌ لها منها علیها شواهدُ

(تیز اور پھرتیلا گھوڑا سخت عالم جنگ میں میرا سہارا بن جاتا ہے، اس کے اندر ایسی علامات وخصائل ہیں جو خود اس کی عمدگی طبع وخصلت ہونے کی غمازی کرتے ہیں)۔

اب آپ کی زندگی کے امتیازات کی طرف آتے ہیں:

راہِ دعوت:

آپ کی زندگی سراپا داعیانہ تھی، دعوتی مزاج رگ وپے میں رچا بسا تھا، چلتے پھرتے دعوت اور اصلاح کا کام کرتے ہوتے، ایسا طلبہ کے ساتھ، افراد خانہ کے ساتھ، اقربا واعزا کے ساتھ، بلکہ نامعلوم لوگوں کے ساتھ کرتے، اسلامی شریعت پر عمل کرنے پر ابھارتے، مخالف شرع امور سے قطعی منع کرتے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور اصلاحی رویہ آپ کی فطرت ثانیہ بن گیا تھا۔ یہی وجہ تھی جب جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر میں جب آپ تشریف لے گئے تو وہاں دعوتی حوالے سے ویرانی تھی، آپ نے اس جانب توجہ کی اور دعوت وارشاد کا کام مختلف انداز سے شروع کیا، آس پاس جو دیہی خطے تھے وہاں جا کر مساجد میں جمعہ اور نمازوں کا آغاز کیا، سیکڑوں مساجد میں آپ کے ذریعہ جمعہ کا آغاز ہوا، چنروٹہ، بجوا، روپ گنج اور نہ جانے کتنے گاؤں ہیں جہاں آپ جاتے یا کسی طالب علم کو بھیجتے تو جمعہ قائم ہوتا، کبھی درس وارشاد کے لئے شام کو بھی نکل پڑتے، وسائل کی قلت تھی، طریقہ کار انتہائی سادہ رکھتے، ایک سائکل تھی جس کے ذریعہ یہ دعوتی دورے ہوتے، جمعہ کو گھر سے دوروٹی کے ساتھ سبزی یا بھیلی وغیرہ لپیٹ کر رکھ لیتے جو دوپہر کے لئے کھانا ہوجاتا، اس وقت دیہاتوں میں کھانا کون پوچھتا تھا، کہ غربت عام تھی اور ابھی شہروں سے رابطے بھی نہیں بڑھے تھے، نہ سوشل میڈیا کا دور تھا، آپ بھی اس سادہ دیہاتی زندگی کا حصہ ہوگئے، دیکھ کر کوئی نہ بتا سکے کہ یہ مبارکپور جیسے ترقی یافتہ قصبہ کے باشندہ اور وہاں کے مشہور ومتمول گھرانے کے معزز فرد ہیں۔ بعد میں طلبہ اور اساتذہ کی بھی ایک ٹیم تیار ہوگئی جو اس دعوت کے تسلسل میں شریک ہوگئی، یہ سلسلہ مسلسل تینتالیس برسوں تک چلتا رہا، جس میں کسی ایک دن کے لئے بھی سستی نہ ہوئی، اس راہ میں کبھی آپ نے نہ ایک روپیہ لیا، نہ ہی اسے درست سمجھا، بلکہ جو طلبہ جاتے انہیں خود اپنی طرف سے دیتے، دعوت کا یہ معمول ہر جگہ جاری رہا، حتی کہ آپ سفر میں ہوتے، نماز یا جمعہ کا وقت ہوتا، جس مسجد میں نماز پڑھتے اس میں بھی مختصر درس کا اہتمام کرتے، کوئی غلط یا خلاف شریعت رویہ دیکھتے تو فوراً اس پر نکیر کرتے۔

ایک بار گورکھپور سول مسجد میں ہم نے نماز جمعہ ادا کی، امام صاحب بزرگوں کے کشف وکرامات کی بے بنیاد کہانیاں بتائے جارہے تھے، شرکیات وخرافات کی ان بے سمت باتوں کو ابو رحمہ اللہ برداشت نہ کرسکے، دوران خطبہ کھڑے ہوئے، کہا، مولانا! ذرا اللہ کا خوف کیجئے، خود ساختہ کہانیاں بتائے جارہے ہیں، جن کا شریعت سے کوئی تعلق ہی نہیں، کچھ قرآن وحدیث سے بھی بیان کیجیے، یہ سننا تھا کہ لوگ بپھر گئے اور ابو کی طرف لپکنا چاہا، امام صاحب سمجھ چکے تھے، انہوں نے لوگوں کو یہ کہہ کر بٹھا دیا کہ مولانا درست کہہ

رہے ہیں۔ یہ ایک انتہائی فیصلہ کن موقف تھا جو آپ نے تمام خطرات واندیشوں سے بے خوف ہوکر اختیار کیا، یہ ایک تو قرآن وسنت سے حددرجہ محبت تھی، دوسرے اخلاص وتقوی کا اثر تھا کہ امام صاحب بھی قبول کئے بغیر نہ رہ سکے۔

خطبات جمعہ کے ذریعہ آپ کے ہاتھوں ہزاروں لوگوں کی اصلاح ہوئی، بہت سے گاؤں جو شریعت سے قطعی ناواقف تھے، اس سے نسبت وتعلق پیدا ہوا، جامعہ سراج العلوم کے ایک معزز استاد محترم ڈاکٹر عبدالغنی القوفی حفظہ اللہ جنازہ سے فراغ کے بعد کہنے لگے: "مضافات کے کسی بھی قریہ چلے جائیں وہاں شیخ کے دعوتی اثرات واضح طور پر ملتے ہیں، ہزاروں لوگوں کو راہ یابی کی دولت ملی، لوگوں میں دینی بیداری پیدا ہوئی، یہ سب کچھ ایسے دور میں کیا جب نہ تو مشروعات کی ہماہمی تھی، نہ ہی سوشل میڈیا اور ٹرانسپوٹیشن کی آسانی، واقعی یہ سب کچھ آپ کی دعوتی راہ میں اخلاص وللّٰہیت اور دنیا سے نفور وبے غرضی پر دلالت کناں ہے"۔

ایک طریقہ دعوت کا اور آپ نے شروع کیا، نیپال کے پہاڑی خطوں میں دین اسلام سے روشناسی کا شوق پیدا کرنے کی خاطر یہ سلسلہ آپ کے ذریعہ شروع ہوا، پہاڑوں کی آبادیوں میں جاتے، وہاں مسلمانوں میں خصوصا دینی بیداری پیدا کرتے، ابو کہتے: بہت سے ایسے لوگوں سے ملاقات ہوئی جو کلمہ تک پڑھنا نہیں جانتے تھے، انہیں کلمہ یاد کراتے، دین کی بنیادی باتیں سمجھاتے، اس طرح بہتوں کو دین کی طرف واپس آنے کی توفیق ملی، پہاڑوں اور غاروں میں زندگی گزارنے والے بہت سے بچوں کو تعلیم کے لئے آمادہ کرکے لائے، بعد میں انہوں نے تعلیم مکمل کی اور اچھے عالم بنے، ہمیشہ ابو مرحوم کے اس رویہ کی عظمت کے احساس سے گراں بار واحسان مند رہے۔ میدان دعوت میں کبھی ایسے مقامات پہ بھی گئے جہاں شیر کی رہائش گاہ اور گندگی ملی، اللہ نے محفوظ رکھا، جب ان مقامات سے گزر کر آبادی کی طرف آئے تو لوگوں نے تعجب خیز نظروں سے دیکھا اور کہا ادھر سے کوئی بچ کر نہیں آتا، یہ اللہ تعالی کی کھلی نصرت وتائید تھی۔ بعد میں یہ سلسلہ بھی چل پڑا، بحمدہ تعالی جامعہ سے وفود بھی گئے، مجھے پتہ نہیں کہ بعد میں یہ سلسلہ جاری رہا یا نہیں۔

آپ کی زندگی دعوت وارشاد اور اصلاح وتربیت سے بھرپور رہی، یہ سب کچھ محض اللہ رب العزت کی توفیق سے ہی ممکن ہوا، زندگی کے ہر موڑ پر آپ کی شخصیت بحیثیت داعی ابھر کر سامنے آتی، محلّہ، علاقے اور آس پاس کے لوگوں میں کوئی نامناسب بات دیکھتے یا خلاف شرع امر نظر آتا فورا انتہائی شفقت اور محبت بھرے انداز میں تنبیہ کرتے۔ سچ یہ ہے کہ آپ کے معاصرین واقران میں کوئی اس کی مثال نہیں ملتی، اس کا تعلق انسان اپنی کوششوں سے زیادہ توفیق الٰہی سے ہے۔

محترم ڈاکٹر عبدالصبور مدنی (استاد ونائب شیخ الجامعہ جامعہ سلفیہ بنارس) اس حوالے سے اپنے تعزیتی مکتوب میں رقم طراز ہیں:

"إن وفاة الشيخ فضل حق المدني، الأستاذ في جامعة سراج العلوم جندا نغر، نيبال خسارة عظيمة للأمة الإسلامية . للشيخ جهود عظيمة في تعليم أبناء المسلمين، ورفع

الجهل ونبذ البدع والخرافات، ونشر المنهج السلفي، فتقبل الله مساعيه وأعلى درجته في الجنة"...

''شیخ فضل حق مدنی (استاد جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر نیپال) کی وفات امت اسلام کے لئے بہت بڑا خسارہ ہے، نسل نو کی تعلیم وتربیت، رفع جہالت، رد بدعات وخرافات اور سلفی منہج کے نشر واحیاء کے حوالے سے شیخ کی خدمات بڑی عظیم ہیں، اللہ تعالی آپ کی مساعی کو شرف قبولیت سے نوازے اور جنت الفردوس میں اعلی مقام عطا فرمائے''۔

منہاج تربیت:

ابو مرحوم کی زندگی کا نمایاں ترین پہلو آپ کا تربیتی انداز ہے، طلبہ، عوام اور اپنی اولاد واحفاد میں ہر تین طبقہ کی تربیت کی، اور اس انداز وخطوط پر کی کہ اس کی نظیر دور حاضر میں ملنی بہت ہی مشکل ہے۔ جامعہ سراج العلوم کے طلبہ میں دینی بیداری اور نماز کے تئیں محبت وشیفتگی پیدا کرنے میں آپ واقعی تنہا نظر آتے ہیں، آپ کی قیام گاہ جامعہ سے متصل بلکہ جامعہ ہی کے اندر تھی، روز آنہ بلا کسی عوض وبدل یا تفویض ذمہ داری کے محض رضاء الٰہی کی خاطر آپ فجر کی نماز کے لئے روز طلبہ کو بیدار کرتے، مجال کیا کوئی طالب چھوٹ جائے، بسا اوقات دو تین بار بیدار کرتے، کبھی سختی بھی کرتے، اللہ کا خوف دلاتے، دنیا کی بے ثباتی کا احساس دلاتے، فجر کی نماز کے بعد مسجد میں تقریبا پندرہ منٹ ٹہل کر تلاوت کرتے، طلبہ بھی ہر چہار طرف بیٹھے تلاوت کرتے، جب آپ نکلتے تو بعد میں طلبہ بھی نکلتے، کسی کو تلاوت کے بغیر مسجد سے نکلنے کی اجازت نہیں تھی، یہ ابو مرحوم نے محض اپنی صوابدید سے شروع کیا تھا، جو بعد تک جاری رہا اور شاید اب بھی جاری ہو، امام طلبہ ہی ہوتے، کبھی وہ نہ حاضر ہوتے تو نماز بھی آپ (یا حضرت شیخ مفتی عبد الحنان فیضی رحمہ اللہ) ہی پڑھاتے، یہ عمل آپ نے مسلسل چالیس سالوں تک کیا، ہزاروں طلبہ کی نماز اور تلاوت کا سبب بنے، ہزاروں طلبہ نماز اور تلاوت کے عادی ہوئے اور بعد میں ان سختیوں کے ہمیشہ قائل بھی رہے اور دعائیں بھی دیتے رہے۔

کلاسوں میں بھی انداز خیر خواہانہ ہی رہا، ہمیشہ تقوی وطہارت قلب ونفس کی تلقین نوک زباں ہوا کرتی تھی، کبھی کسی سے غیر اخلاقی حرکات سرزد ہوتیں تو سخت رویہ بھی اختیار کرتے، ہم نے جب دیکھا آپ کو تعلیم میں محنت کرتے اور اخلاص وللّٰہیت کی تلقین کرتے پایا، یہ آپ کی زندگی کا وہ امتیاز ہے جو ہم نے نہ دیکھا نہ پایا۔

ابو محترم کے ایک شاگرد مولانا نور عالم سراجی لکھتے ہیں:

''فجر کی نماز کے لئے استاد محترم جب اپنے گھر سے نکلتے تو راستے میں سب سے پہلے ہمارا کمرہ پڑتا، آپ سب سے پہلے مجھے آواز دیتے، جس سے ہمیں روز آنہ فجر کی نماز باجماعت ادا کرنے کی توفیق مل جاتی''۔

اعزا، اقربا اور عمومی لوگوں کے اندر بھی جب بے راہ روی دیکھتے تو قطعی نظر انداز نہ کرتے اور نہ ہی مصلحت پسندی سے کام لیتے، بلکہ اصلاح کرتے اور بروقت مناسب اور مستحکم رہنمائی کرتے، خصوصا اگر کوئی ایسا شخص ملتا جو بے

نمازی ہوتا یا نماز کے تئیں غفلت کا شکار ہوتا تو آپ ضرور اس کی خبر گیری کرتے، اسے سمجھاتے، بہتوں کو دیکھا کہ آپ کے اثر اور تربیت سے نماز کے پابند ہو گئے، مجھے نہیں یاد کہ کبھی آپ کو کسی نے نماز کے لئے توجہ دلائی ہو یا نیند سے بیدار کیا ہو، بوقت تہجد اٹھتے اور فجر کی اذان ہوتے ہی تمام افراد خانہ کو بیدار کرتے، اگر اس معاملہ میں کوئی روگردانی کرتا غضبناک ہو جاتے اور کہتے بیٹا! نماز روزہ اور دین میں کوئی سستی اور غفلت برداشت نہیں ہے۔

ہم افراد خانہ اور جملہ برادران کی تعلیم وتربیت میں آپ نے جو محنت کی، وہ بھی ہماری نظر میں بے مثال ہے، یہ بات ہندوستان بھر میں لوگوں نے کہی، اس پہلو کا کھل کر آپ کی زندگی میں بھی اعتراف کیا گیا اور بعد از وفات بھی، ابو محترم کہیں بھی گئے خصوصا علماء کے مابین، ہر جگہ آپ کی اس عظمت کا ذکر خیر کیا گیا۔ شریعت کی سخت پابندی سکھائی، خصوصا نماز اور عبادات کے حوالے سے آپ ہمیشہ سخت گیر رہے، آپ گھر میں موجود ہوں اور افراد خانہ فجر میں سوئے رہ جائیں، ایسا ممکن نہیں تھا، فجر کے بعد گھر میں ایک ساتھ بیٹھ کر تلاوت کرتے اور ہم پر بھی واجب کرتے، آپ کی غیر موجودگی میں یہ فریضہ امی جان بڑی تندہی سے اسی انداز سے انجام دیتیں، گھر میں خالی اوقات میں ائمہ حرمین کی تلاوتلگی ہوتی، پہلے کیسٹوں کا زمانہ تھا، ہمارے گھر تلاوت کی کیسٹس بڑی تعداد میں موجود تھیں، جنہیں آپ باہر سے لائے تھے، اس سے ہمیں قرآن پڑھنے کا صحیح انداز ملا، باہر کے ماحول کی گندگیوں سے بچانے کے لئے ہمیں باہر نکلنے کی اجازت نہ تھی، اگر جانا بھی ہوتا تو کسی کے ساتھ یا ابو خود اپنے ساتھ لے جاتے، انتہائی کڑی نگاہ رکھتے، ہم کس سے ملتے ہیں، کن بچوں کے ساتھ رہتے ہیں، ہماری جملہ مصروفیات کیا ہیں، کبھی کوئی قابل ملاحظہ چیز دیکھتے تو فورا تنبیہ کرتے۔

ابو محترم نے خانہ کعبہ کی دیوار پکڑ کر انتہائی عاجزی کے ساتھ دعا کی تھی کہ میرے سارے بیٹے حافظ بنیں، یہ دعا بارگاہ الٰہی میں مقبول ہوئی، آپ کو اللہ تعالی نے چھ بیٹوں اور تین بیٹیوں سے نوازا، بیٹے سب کے سب حافظ وعالم، بیٹیاں عالمہ، اب ایک بہو نغمہ ارم بھی جن کا انتخاب ابو اور امی نے صرف اس لئے کیا کہ وہ حافظہ وعالمہ (جامعہ امیرہ نورہ ریاض سعودیہ کی فاضلہ) تھیں، جو خاکسار کی اہلیہ ہیں اور حفظ واتقان اور انتہائی خوبصورت تلاوت کے لئے معروف ہیں۔ اس طرح سب کو حفظ قرآن کی دولت سے مالا مال کیا، یہ سب کچھ اتنی آسانی سے نہیں ہوا، ابو مرحوم نے اس کے لئے اپنا سب کچھ قربان کیا، مجھے یاد ہے، میں جب حفظ کر رہا تھا، آپ فجر کے بعد ہمارے ساتھ دیر تک بیٹھتے، بسا اوقات سبق اور آموختہ خود سنتے، غلطیوں کی اصلاح کرتے، کبھی مغرب وعصر بعد بھی ساتھ بیٹھ جاتے، باوجود اس کے استاد موجود ہوتے، اس طرح آپ کی طویل جدوجہد اور محنت سے ہم حفظ قرآن کی دولت سے باسعادت ہو سکے، اس دوران جن علماء صالحین سے ملاقات ہوتی دعائیں بھی کراتے، بڑے بھائی شیخ صہیب حسن مدنی حفظہ اللہ نے جب حفظ قرآن کریم شروع کیا تو ابو محترم آپ کو حضرت شیخ الحدیث علامہ عبید اللہ رحمانی رحمہ اللہ کے پاس لے گئے، انہیں کے ہاتھ پر حفظ کا آغاز کیا، اختتام بھی انہیں کے

روبرو کیا، بھائی کا بیان ہے کہ شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے سامنے جب میں سورہ تحریم کی آخری آیات جو توبہ نصوح سے متعلق ہے کی تلاوت کررہا تھا، میں نے دیکھا کہ شیخ الحدیث پر اس آیت کے اثر سے رقت طاری ہے جو رخ زیبا سے نمایاں ہورہی ہے، یہی اہل اللہ کا خاصہ ہیکہ قرآنی آیات کی تلاوت سے دلوں میں رقت ونرمی پیدا ہوجاتی ہے، رحمہم اللہ تعالی جمیعًا۔

مجھے یاد ہے، صغرسنی تھی، بھائی محترم جامعہ سلفیہ بنارس کے طالب علم تھے، ہمارے گھر (مبارکپور) حضرت مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری (مؤلف الرحیق المختوم) اور حضرت مولانا ڈاکٹر رضاء اللہ مدنی مبارکپوری (سابق شیخ الجامعہ جامعہ سلفیہ بنارس) رحمہما اللہ تشریف لائے، اول الذکر ابو محترم کے استاد تھے اور ثانی الذکر بھائی محترم کے اور خاکسار کو ان دونوں کا صرف دیدار نصیب ہوا، گھر کے سبھی لوگ خصوصا دادا (حاجی عبدالرقیب مرحوم جو صحیح معنوں میں علماء نواز تھے) بالکل پریشان انتظام وانصرام میں مصروف تھے، سبھی لوگ بچھے جارہے تھے، ہمیں ان شخصیتوں کی عظمت کا احساس نہیں تھا، نہ انہیں جانتے تھے، والد مرحوم کے ساتھ ساتھ سبھی افراد خانہ انتہائی تکریم واحترام سے پیش آرہے تھے، مائیں بچوں کو خاموش کرارہی تھیں، ابو محترم نے ان حضرات سے اپنے بچوں کی کامیابی کے لئے دعائیں لیں۔ آج بھی وہ منظر نگاہوں میں کوندرہا ہے، کیسے کیسے مہ وانجم سرشام ہمارے غریب خانہ پر اتر آئے تھے۔

زباں پہ بارالہا . .! یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے میری زباں کے لئے

ہم جب بڑے ہوگئے تو ابو کی تربیت کا انداز قدرے بدل گیا، جب جامعہ سلفیہ میں داخلہ ملا تو ہم آپ سے دور ہوگئے، جب بھی ہم روانہ ہوتے، ابو مرحوم ہمارا ہاتھ پکڑ کر اپنے خاص لہجے میں محبت بھری نصیحتیں کرتے، بیٹا! نماز کی پابندی کیجیو، حصول علم غیر معمولی محنت کیجیو، شیخ الحدیث مرحوم کی جفاکوشیوں کا ضرور حوالہ دیتے، اساتذہ کا احترام کیجیو، وقت کا استعمال پڑھنے لکھنے میں صرف کیجیو، غلط صحبت سے قطعی اجتناب کیجیو، بیٹا! تقوی طہارت سے زندگی میں بڑی برکتیں آتی ہیں۔ آخر میں دعائیں دیتے اور اس دعا کا بار بار اعادہ کرتے: اللہ تمھیں اپنے حفظ وامان میں رکھے۔ یہی طریقہ ہم تمام بھائیوں کے ساتھ اختیار کرتے۔ کبھی کوئی آنے جانے والا ہوتا تو خطوط میں بھی اسی طرح کی نصیحتیں لکھ بھیجتے۔ ایک بار میں نے کلیہ الحدیث بنگلور میں آل انڈیا مسابقہ حدیث میں ٹاپ کیا، واپس آیا تو ابو محترم نے باہر گھر کی قریبی شاہراہ پر آکر استقبال کیا، یہ طریقہ آپ کا ہمیشہ آتے جاتے رہا، پیشانی پر بوسہ دیا، آبدیدہ ہوگئے اور مسلسل دعائیں دیتے رہے۔

جب ہم فارغ ہوگئے اور تدریس سے جڑے تو مزید لہجہ بدل گیا، مادری زبان میں تم سے ہم آپ ہوگئے، فجر میں بیدار کرنے کا طریقہ بھی بدل گیا، فجر سے قبل فون کرتے، دیر تک خیر خیریت لیتے، باتیں کرتے، جب انہیں یقین ہوجاتا کہ میں مکمل بیدار ہوگیا ہوں، تو سلام کرکے فون رکھ دیتے، بار بار یہ کہتے بیٹا یہاں نیٹ ورک نہیں رہتا، اس لئے قبل از فجر بات کرنا پڑتی ہے، ہم اب بچے نہیں تھے کہ ابو کا یہ طریقہ نہ سمجھ پاتے، ہم بھی کہتے، ابو جب آپ کو

سہولت ہوکر لیا کیجئے، بعد ازاں جب مئو آ گئے تو بھی یہ سلسلہ کبھی کبھار جاری رہا، حالانکہ عمر کے اس مرحلہ میں ہمیں اس کی (بیدار کرنے کی) چنداں ضرورت نہ تھی، لیکن ہمیں بھی اطمئنان ہوتا کہ کسی بہانے آپ سے بات ہوجایا کرتی۔ اب بات کرتے تو اکثر باتوں باتوں میں آبدیدہ ہوجاتے، یہ عموما اس وقت ہوتا جب میں اپنی کوئی علمی پیش رفت بتاتا، خوش ہوتے، زباں پر دعاؤں کا لامتناہی سلسلہ جاری ہوجاتا۔ سوچتا ہوں کہ اب یہ مخلصانہ دعائیں کون دے گا، اخلاص ووفا سے معمور یہ بے ہمتا باب ہمیشہ کے لئے بند ہوگیا۔

مئو آیا تو اب ابومحترم کے موضوعات بھی بدل گئے تھے، بیٹا! تدریس میں غیر معمولی محنت سے کام لینا، ذرا بھی کوتاہی نہ کرنا، بھرپور تیاری سے باوضو درس میں حاضر ہونا، ابتدا کی محنت اصل ہوتی ہے جو ہمیشہ کام آتی ہے، مدرسوں کی سیاست سے فاصلہ بناکے رکھنا، مخلصین کے ساتھ ہی صحبت رکھنا۔ سوال کرتے، بیٹا! آج کل کون سا علمی کام کررہے ہیں؟ یہ سوال اخیر میں اکثر کرنے لگے تھے، کبھی بھول جاتے تو یاد دلاتا ابو ابھی تو بتایا تھا، پھر انہیں یاد آجاتا، لیکن سچ یہ ہے کہ انہیں بھولتا نہیں تھا، بلکہ وہ بار بار سننا چاہتے تھے۔ ابو کی بیماری سے کچھ عرصہ قبل خاکسار نے شیخ الکل حضرت میاں نذیر حسین محدث دہلوی کے بارہ اردو فارسی رسائل کا عربی ترجمہ مع تحقیق وتعلیق دو جلدوں میں مکمل کیا تھا، ابو اس کی بابت اکثر استفسار کرتے رہتے، کہ بیٹا کب شائع ہوگی، میں عرض کرتا ابو جلد ان شاء اللہ، لیکن کتاب ابو کی حیات میں نہیں چھپ سکی، ابومحترم اس حسرت کو لے کر دنیا سے گئے، اس کتاب کا اھداء میں نے ابومحترم کی طرف کیا تھا، اگر وہ کتاب یہ دیکھتے تو یقیناً بہت خوش ہوتے، لیکن اب وہ اسے دیکھ کر دنیا میں خوش ہونے کے لئے موجود نہیں۔ جب میری کتاب (نفل نمازیں: احکام، مسائل، آداب) چھپی تو دیکھا، بہت سے مقامات کو حرفا حرفا پڑھا، بہت خوش ہوئے، کہا بیٹا! اسی طرح کا کام کیا کرو، اس سے اخروی فائدہ بہت ہے، لوگ پڑھیں گے، عمل کریں گے تو اس کا فائدہ دنیوی بھی ہوگا اور اخروی بھی۔

جنازہ میں شریک ابومحترم کے انتہائی مخلص دوست حضرت شیخ عبد الرشید مدنی رحفظہ اللہ (شیخ الجامعہ جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر) اور دیگر اساتذہ جامعہ کہنے لگے کہ: "شیخ فضل حق کی تربیت کے حوالے سے کوئی مثال نہیں، بے مثال انداز وطرز میں آپ نے اس پہلو کو نبھایا"۔

محترم ڈاکٹر ابوتحریر (دہلی) اپنے تعزیتی مکتوب میں فرماتے ہیں:

''جامعہ سلفیہ بنارس اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے دیاسات کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد انہوں نے سراج العلوم جھنڈانگر میں ایک طویل عرصے تک تدریسی خدمات انجام دیں اور ایک خلق کثیر نے ان سے استفادہ کیا۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے وہ درس و تدریس میں مشغول رہے اور تصنیف وتالیف کی طرف توجہ دینے کا موقع نہیں مل سکا، لیکن انہوں نے اولاد کی تعلیم وتربیت پر جس انداز سے توجہ کی اس کا ثمرہ آپ کے سامنے ہے''۔

(جاری)

☆☆☆

باب الفتاویٰ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زکاۃ الفطر کس سے ادا کیا جائے، زکاۃ الفطر میں روپیہ یعنی قیمت ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟

قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل جواب دے کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں، فقط۔

الجواب بعون اللہ الوھاب ومنہ الصدق والصواب.

صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ صدقۃ الفطر ان چیزوں سے ادا کیا جائے جو منصوص طریقہ پر ثابت ہیں، یا ان غلوں سے ادا کیا جائے جو برابر استعمال ہوتے ہیں، قیمت کا اندازہ لگا کر روپیہ ادا کرنا خلاف سنت ہے، اس لئے کہ دور نبوی بلکہ دور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس طرح کا کوئی اشارہ نہیں ملتا کہ صدقۃ الفطر غلے کے علاوہ قیمت سے ادا کی گئی ہو، بلکہ حدیث نبوی سے معلوم ہوتا ہے کہ دور نبوی ودور صدیقی وفاروقی وعثمانی وعلی وغیرہ میں صدقۃ الفطر غلہ ہی سے ادا کیا جاتا تھا تو ایسی سنت صریحہ کو چھوڑ کر قیمت کی بات کہنا شریعت سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔

چنانچہ اس سلسلے میں ایک صریح وصحیح حدیث نبوی پیش خدمت کی جاتی ہے۔حدیث کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کی موجودگی میں ہم لوگ ہر چھوٹے بڑے، آزاد وغلام کی طرف سے ایک صاع غلہ پنیر یا ایک صاع جو یا ایک صاع کھجور یا ایک صاع کشمش نکالا کرتے تھے۔ (صحیح البخاری:۱۵۰۶،۱۵۰۸)

اسی طرح حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: فرض رسول اللّٰہ ﷺ زکاۃ الفطر طھرۃ للصائم من اللغو والرفث وطعمۃ للمساکین." (سنن ابی داود:۱۶۰۹) یعنی رسول اللہ ﷺ نے صدقۃ الفطر روزہ دار کی لغو بات اور فحش گوئی سے روزے کو پاک کرنے کے لئے اور مسکینوں کو کھانا کھلانے کے لئے فرض کیا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ہی سے مرفوعاً روایت ہے کہ: "أدوا صاعا من طعام" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم لوگ طعام سے ایک صاع (صدقہ فطر) ادا کرو۔ (سنن بیہقی:۴/۱۶۷، حلیۃ الاولیاء لابی نعیم:۳/۱۲،۶/۲۶۲)

ان مذکورہ حدیثوں کو بغور پڑھنے والے حضرات پر یہ بات بالکل واضح اور عیاں ہو جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صدقۂ فطر میں 'صاع' (ڈھائی کلو تقریباً) اور طعام (خوراک، خوردنی اشیاء) دینے کو فرض قرار دیا ہے اور 'قیمت' (روپیہ پیسہ) خوردنی اشیاء میں سے نہیں ہے اور نہ ہی بذریعہ 'صاع' ناپا جاتا ہے لہٰذا رسول اللہ ﷺ کے فرض

کردہ 'صاع' اور 'طعام' کے بجائے 'قیمت' ادا کرنا کیسے اور کیونکر جائز ہوسکتا ہے؟

دوسری بات یہ ہے کہ صدقۂ فطر میں قیمت دینے کا ثبوت نہ نبی کریم ﷺ سے ملتا ہے اور نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے، لہٰذا ایک ایسی چیز جو عہد نبوی اور عہد صحابہ میں موجود نہ تھی وہ ہمارے لئے آج کیسے دین قرار پاسکتی ہے، اس لئے صدقۃ الفطر میں قیمت دینے کو بعض علماء نے بدعت قرار دیا ہے۔ دیکھئے: (السنن والمبتدعات فی العبادات، ص:۲۰۶)

تیسری بات یہ ہے کہ صدقۂ فطر ادا کرنا ایک عبادت ہے جس کی شکل وصورت اور حدود شریعت نے مقرر کر دیا ہے، فطرانہ نکالنے کا وقت، اس کی مقدار، اس کے حقدار اور اس کی نوعیت یہ سب متعین ہیں۔

لہٰذا صدقۂ فطر ادا کرتے وقت ان شرعی امور واعتبارات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، ورنہ یہ عبادت نہ صحیح ہوگی اور نہ ہی ذمہ سے سبکدوش کرنے والی ہوگی۔ (دیکھئے: المنتقی من فتاوی الشیخ صالح بن فوزان: ۳/۱۱۳-۱۱۶)

اس لئے جب قیمت کا ثبوت شریعت سے نہیں ملتا ہے تو اس کے ذریعہ سے صدقۂ فطر جیسی عبادت کیونکر درست ہوسکتی ہے؟

چوتھی بات یہ ہے کہ قیمت ادا کرنے میں ایک خرابی یہ لازم آتی ہے کہ لوگ اس بارے میں بہت اختلاف کے شکار ہو جاتے ہیں، چنانچہ کچھ لوگ دس روپئے نکالتے ہیں تو کچھ پندرہ اور بیس روپئے، اسی طرح کبھی دھان کی قیمت لگاتے ہیں تو کبھی چاول وگیہوں کی اور قیمت مقرر کرنے میں بھی کم کرنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ شریعت نے ایک حد ومقدار متعین کر دی ہے۔ دنیا کا کوئی بھی مسلمان کہیں بھی رہے، اسی مقدار میں صدقۂ فطر ادا کرے گا اور اس میں یقیناً کوئی خاص حکمت ہوگی جسے اللہ حکیم ہی بہتر جانتا ہے۔

لہٰذا اس متعین مقدار سے ایک غیر متعین رقم کی طرف عدول کرنا یقیناً روح شریعت کے منافی ہے، جس سے اجتناب ضروری وواجب ہے۔

انہی دلائل صحیحہ ووجوہ معتبرہ کی بنا پر ائمہ ثلاثہ: امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور اکثر علماء وفقہاء نے قیمت کو ناجائز کہا ہے۔ دیکھئے: (شرح صحیح مسلم للنووی: ۷/۶۳، المجموع للنووی: ۶/۱۲۳، المغنی لابن قدامہ: ۴/۵۳، ۵۵)

امام ابن حزم رحمہ اللہ اپنی مایہ ناز تصنیف ''المحلی ۱۶/۱۱۸، مسئلہ ۷۰۸ میں فرماتے ہیں: ''..... لا تجزئ قیمة أصلا'' صدقۂ فطر میں قیمت کفایت کرے گی ہی نہیں۔ علامہ شیخ ابن باز سابق مفتی اعظم سعودیہ عربیہ نے بھی اپنے ایک طویل فتویٰ میں صدقہ فطر میں قیمت کے عدم جواز کو اجاگر کیا ہے۔ (مختصر مجالس رمضان: ۸۹، اردو)

ہمارے شیخ الحدیث علامہ عبید اللہ رحمانی مبارک پوری رحمہ اللہ (مرعاۃ المفاتیح: ۶/۲۰۳) میں لکھتے ہیں: ''والراجح عندي أنه لا يجوز القيمة في صدقة الفطر وزكاة الأموال بل يتعين إخراج ما سماه النبي ﷺ إلا عند العذر ''یعنی میرے نزدیک راجح قول یہی ہے کہ صدقۃ الفطر اور زکاۃ المال میں قیمت جائز نہیں ہے الا یہ کہ کوئی (معقول) عذر ہو''۔

هذا ما عندی والله اعلم بالصواب

ابوعفان نورالہدیٰ عین الحق سلفی

☆☆☆

PRINTED BOOK

ISSN 2394-0212

March & April 2025

Vol.XLII No.03-04

R.No. 40352/81

MOHADDIS

THE ISLAMIC CULTURAL & LITERARY MONTHLY MAGAZINE

Website: www.mohaddis.org

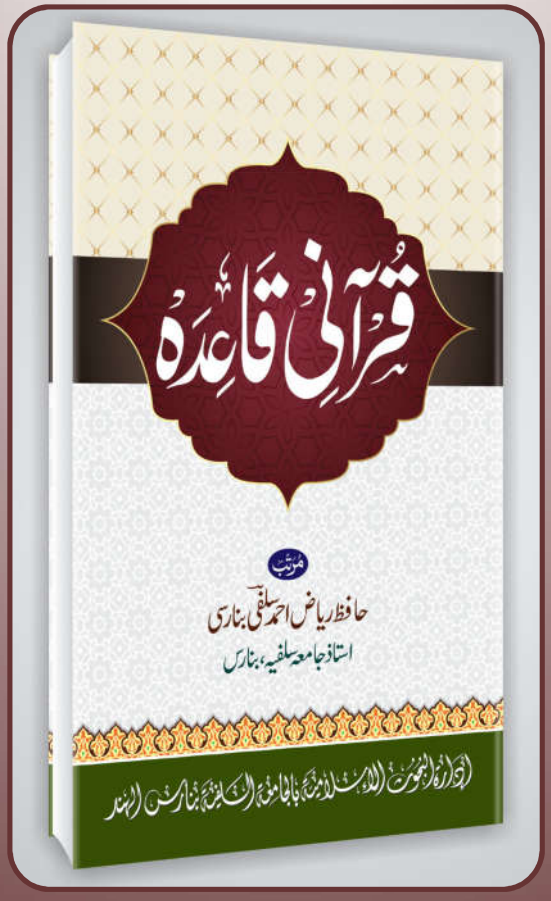

Published by: Obaidullah Nasir, on behalf of Darut-Taleef Wat-Tarjama

B.18/1-G, Reori Talab, Varanasi, Edited by: Mohammad Ayoob Salafi

Printed at Salafia Press, Varanasi.